عالمی مؤتمر ابنائِ قدیم دارالعلوم دیوبند کا دینی و علمی ترجمان

مرتب

حبیب الرحمٰن قاسمی

عالمی موتمر ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کا ترجمان

ماهنامه القاسم دیوبند

شمارہ ۳ | ماہ شعبان و رمضان ۱۴۰۱ھ مطابق جولائی ۱۹۸۱ء | جلد ۱

فہرستِ مضامین

مرتب
حبیب الرحمٰن قاسمی

مجلس ادارت
مولانا سید ارشد مدنی
مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری
مولانا ریاست علی بجنوری
مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

زر اشتراک
سالانہ ۲۰/- روپے
ششماہی ۱۲/- روپے
فی پرچہ ۲/-
ممالک غیر سے اس کے مساوی علاوہ محصول ڈاک

ترسیل زر وخط وکتابت کا پتہ
دفتر ماہنامہ القاسم دیوبند
دیوبند (یو،پی) پن ۲۴۷۵۵۴

پرنٹر و پبلشر محمد حبیب صدیقی نے محبوب پریس دیوبند میں طبع کرا کر دفتر القاسم سے شائع کیا۔

حبیب الرحمٰن قاسمی

اشارات

آجکل مذہبی اداروں، دینی درسگاہوں اور علمی تربیت گاہوں کی جو فراوانی ہے گذشتہ دور میں خواہ وہ اسلامی عہد کیوں نہ ہو کبھی نہیں تھی۔ اور مقام شکر ہے کہ آئے دن اس میں تعداد اور کیفیت دونوں اعتبار سے اضافہ ہی ہو رہا ہے آپ پورے ملک میں گھوم جائیے آپ کو ہر صوبہ، اور صوبہ کے ہر ضلع اور ضلع کی اکثر بستیوں میں دینی مدارس و مکاتب ضرور نظر آئیں گے اور ان میں سیکڑوں مدرسے ایسے ہوں گے جن کا سالانہ بجٹ ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ہوگا اسی طرح دینی و مذہبی لٹریچر کا اتنا وسیع اور ہمہ گیر سلسلہ کبھی نہیں تھا صرف عرب ممالک کی مطبوعات کا حال یہ ہے کہ وہاں کے پٹرول سے بھی زیادہ ابل ابل کر دنیا میں پھیل رہی ہیں دینی علوم پر تحقیق و ریسرچ کے ادارے الگ قائم ہیں اور ان میں سیکڑوں محققین داد تحقیق دینے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان مظاہر علوم و تحقیقات کے اثرات کچھ نہ کچھ ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ ان طویل الذیل تحقیقی و اشاعتی اداروں اور دینی و مذہبی درسگاہوں سے مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو رہے ہیں اور ملت کی تشکیل و تہذیب میں ان سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ پوری نہیں ہو رہی ہیں

ارباب مدارس کو عام طور پر شکایت ہے کہ باصلاحیت اور معیاری معلمین نہیں مل رہے ہیں اور اگر کسی میں کچھ علمی صلاحیت ہے بھی تو وہ اخلاقی اعتبار سے قابل اطمینان نہیں، مسلم معاشرہ الگ بے چین اور مضطرب ہے کہ ان کی صحیح طور پر رہنمائی نہیں ہو رہی ہے۔ اعمال و عقا

کی دیواریں متزلزل ہوتی جارہی ہیں، اخلاق وکردار کی قدریں ایک ایک کرکے دم توڑ رہی ہیں غرضیکہ شعوری اور لاشعوری طور پر امت اپنی ڈگر سے ہٹتی جارہی ہے۔ اصلاح ودعوت اور تعلیم وتربیت کی ہماری تمام تر کوششیں بے اثر اور بے نتیجہ ہوکر رہ گئی ہیں -

حالانکہ ماضی میں ہمارے اسلاف نے انھیں ہتھیاروں سے باطل کا مقابلہ کیا تھا اور اسے میدان چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا، دور جانے کی ضرورت نہیں ۱۸۵۷ء کے بعد حالات کا جائزہ لیجئے۔ غیر ملکی انگریز تاجروں نے اپنے مکر وفریب اور سازشوں کے ذریعہ ملک پر قبضہ جمالینے کے بعد ہمارے ملی شعائر وعلامات، دینی عقائد ونظریات اور قومی خصائص وروایات کو ختم کرنے کیلئے حکومتی سطح پر ایک طوفان برپا کر دیا اور حالات ایسے پیدا کر دئے کہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ اگر بروقت الحاد ولادینیت کے اس سیلاب کے آگے بند نہیں لگایا گیا تو ہمارے عقائد واعمال اور سارے تخصصات خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔

اکابر نے لادینیت کے اس طوفان کے مقابلے میں دینی مدرسوں اور اسلامی تربیت گاہوں کی مستحکم اور مضبوط دیوار کھڑی کر دی اور نہ صرف یہ کہ طوفان کا رُخ موڑ دیا بلکہ انھیں درسگاہوں کے بوریہ نشین سپوتوں نے اپنے جوش عمل، جذبۂ حریت، اصابت فکر، صلابت دین، حسن کردار اور ایثار وقربانی کے ذریعہ ایک ایسا صالح انقلاب برپا کر دیا کہ اسلامی تہذیب وتمدن کے مرجھائے ہوئے گلستان میں نئی بہار آگئی - اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ ہندوستان سے مسلمانوں اور ان کی تہذیب کو مٹا دینے کا خواب دیکھنے والا خود اپنی تمام تر قوت وشوکت کے باوجود ملک بدر ہونے پر مجبور ہوگیا -

مقام حیرت وحسرت ہے کہ آج بھی وہی دینی درسگاہیں ہیں وہی ان کا نظام تعلیم وتربیت

ہے وہی قال اللہ وقال الرسول کی صدائے جاں نواز ہے ۔ غرضیکہ سب کچھ وہی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علمی وفکری سوتے خشک ہوگئے ہیں۔ ان کی کوکھیں بانجھ ہوگئی ہیں مردم سازی کے ان کے سارے آلات زنگ خوردہ اور بیکار ہوگئے ہیں کہ اب ان سے نہ تو حضرت شیخ الہند جیسا مردم ساز قائد پیدا ہو رہا ہے نہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی جیسا مصلح ، نہ کوئی حضرت انور شاہ کشمیری جیسا محدث ومحقق نظر آرہا ہے اور نہ کہیں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کی طرح مرد کامل، مجاہد، اور نہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی طرح مضطرب داعی دکھائی دے رہا ہے۔ یہ تو بطور مثال کے چند شخصیتوں کا ذکر ہے ورنہ ۵۰ سال پیچھے مڑ کر دیکھیں تو آپ کو علم وکمال دعوت وعزیمت اور زہد وتقوی کے قافلے کے قافلے نظر آئیں گے جن کے فیوض وبرکات کے آثار آج بھی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا شمس الحق افغانی حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں ۔ جنھیں دیکھکر ان کے پیشروؤں کے فضل وکمال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

ان حالات میں صاحب نظر علمار کرام بالخصوص ارباب مدارس کی ذمہ داری ہے کہ وہ حالات کا پورے طور سے جائزہ لیکر کوئی ایسا طریق کار اور لائحہ عمل مرتب کریں جس سے ہماری دینی درسگاہوں کی متاعِ گم شدہ پھر واپس مل جائے اور مردم سازی کے یہ کارخانے از سرِ نو چاک چوبند ہو کر رجال کار کی تیاری میں مصروف ہو جائیں ۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ حضرات معلمین واساتذہ اور اداروں کے ذمہ داروں کو اپنا احتساب کرنا ہوگا کہ کیا وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورے طور پر نباہ رہے ہیں یا نہیں ۔ ایک معلم ومربی کے لئے دیانت وتقوی، اخلاق وکردار اور فہم وبصیرت کا جو معیار مطلوب ہے اسے وہ پورا کر رہے ہیں یا اس میں نقص اور کمی ہے پھر ان طلبا کا جائزہ لینا ہوگا ۔ جو ہماری زیر نگرانی ہمارے اداروں میں زیر تعلیم ہیں کہ کیا وہ طالب علمی کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں یا نہیں ۔ بصورتِ نفی پوری دلسوزی سے ایسا راستہ اور طریقہ اپنایا جائے

جس سے طلبہ کا احساس بیدار ہو۔

اس کے علاوہ مروّجہ نصاب درس اور طریقۂ تعلیم و تربیت پر بھی کھلے دل سے غور کرنا ہوگا کہ آیا ہمارا یہ نظام تعلیم و تربیت حالات اور وقت کا ساتھ دے سکتا ہے یا نہیں۔

ان سب میں سب سے اہم اور بنیادی چیز وہی ہے جس کی جانب سطور بالا میں اشارہ کیا جا چکا ہے یعنی حضرات معلمین کا حسن اخلاق، تقویٰ، اور سوز دروں سے متصف ہونا اس لئے کہ طلبہ کتابوں سے زیادہ اپنے اساتذہ کو پڑھتے اور ان سے متأثر ہوتے ہیں۔ بقول اکبر مرحوم۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ آدمی آدمی بناتے ہیں۔

اس لئے مدارس اور دینی درسگاہوں میں صالح انقلاب لانے کیلئے تمام اصلاحات سے پہلے اس کا لحاظ کرنا ہوگا ورنہ کوئی کوشش کارگر اور مفید نہیں ہوسکتی۔

متفکر، فلسفی، زاہد، مورّخ، رہنما، عالم ‏ ‏ ‏ ‏ ہماری درسگاہیں قوم کے معمار حقیقی ہیں۔
مگر محروم ہو جاتی ہیں جب دین و دیانت سے ‏ ‏ ‏ ‏ تو پھر یہ قوم و ملت کے لئے ایک عار بنتی ہیں

معزز قارئین!

ماہنامہ "القاسم" کا زیر نظر شمارہ حاضر خدمت ہے۔ ہم نے اسکے سابقہ معیار کو باقی رکھنے کی ہر امکانی کوشش کی ہے۔ القاسم ابھی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہوسکا ہے۔ اسی وجہ سے موجودہ شمارہ لیتھو پریس سے طبع کرا کر پیش کیا جا رہا ہے ہم نے مجبوراً ایسا کیا ہے ورنہ ہماری دلی خواہش یہی ہے کہ "القاسم" بذریعہ آفسیٹ ہی طبع کرا کر قارئین کی خدمت میں پیش کریں ـــــ بروقت قارئین کرام سے ہماری گذارش یہ ہے کہ "القاسم" کی توسیع اشاعت میں اپنا ہر ممکن تعاون پیش کریں اور اپنے حلقۂ احباب اور ذی اثر لوگوں کو اس کی ممبری کیلئے آمادہ کریں۔ ادارۂ "القاسم" آپ کا بیحد ممنون ہوگا۔

(منیجر)

معراج جسمانی

عقل ونقل کی روشنی میں

از شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ -

یہ ایک بدیہی اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جس طرح انسان اور جملہ مخلوقاتِ عالم اپنے وجود میں خالق وموجد کی محتاج ودست نگر ہے ٹھیک اسی طرح اس کی بقاء وزندگی کا مدار بھی رب العزت وپروردگار عالم کی رحمت ومشیت پر ہے -

اسی طرح یہ بھی حقیقت واقعیہ ہے کہ موجوداتِ عالم میں اجناس کو انواع کا اور انواع کو افراد کا جامہ پہنانے والی وہ خصوصیات موہوبہ خداوندی ہیں جن کو خالق ارض وسماء نے اپنی مخلوقات میں علیٰحدہ علیٰحدہ ودیعت رکھا ہے، نباتات کو جمادات پر اگر کوئی فوقیت حاصل ہے تو صرف یہ کہ نباتات میں مادۂ نمو وترقی موجود ہے ۔اور جمادات اس سے محروم، حیوانات کو نباتات پر اگر کوئی تفوق ہے تو یہ کہ اس میں علاوہ قوت نمو کے مادۂ حس وحرکت بھی موجود ہے۔ اور انسان کو حیوانات سے جدا کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف اس کی قوتِ ادراک وعقل وفہم وفراست ہی ہے جس کو قدرتِ کاملہ نے عطا فرما کر اور انسان کو مخلوقات ارضی وسماوی سے بزرگ وبرتر بنا کر اپنی خلافت کے منصب جلیل کے لئے منتخب فرمایا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ	اور البتہ ہم نے عزت دی ہے اولاد آدم کو اور سواری دی ہم نے ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی

تَفْضِيلًا ۵ - بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر،

اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی محتاجِ دلیل نہیں کہ تمام مخلوق اپنی ان خصوصیات کے لحاظ سے متفاوت المرتبہ ہیں کسی میں کم اور کسی میں زیادہ اور چونکہ وہ عطاریہ اور موہب خداوندی ہیں اس لئے ہر شخص کو حسب لیاقت وقابلیت حکیم مطلق کی طرف سے علیحدہ علیحدہ عطا کی گئی تو ظاہر ہے کہ عقل وعلم ادراک وفہم بھی ہر شخص کو حسب قابلیت عطا کیا گیا ہوگا - اور یہ ایسی مشاہد چیز ہے کہ جس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ عقولِ انسانی نہ صرف باعتبار انواع بلکہ باعتبار افراد کے ہر ہر شخص کی مختلف و کم وبیش ہیں اور چونکہ عقل کامل علم نامتناہی خاصۂ خداوندی ہے اسلئے مخلوق کا علم وفہم بھی محدود خلقت کی طرح محدود وناقص ہی ہوگا - چنانچہ اسی دنیا میں جہاں ارسطو، فیثا غورث، افلاطون و جالینوس جیسے مجسمۂ عقل وحکمت کا وجود پایا جاتا ہے وہیں عقل سے کورے سفیہ وکودن لوگوں سے بھی دنیا خالی نہیں -

عقل محض رہبر کامل نہیں ہو سکتی

اس تفاوت علم وعقل سے صاف ظاہر ہے کہ محض عقل وعلم رہبر کامل ومنزلِ مقصود کے لئے ہادیٔ مطلق ہونے کے لئے کافی وضامن نہیں ہو سکتے بلکہ اس علم وادراک کی باگ جس قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے بدون اس کی اعانت ودستگیری منزلِ مقصود تک رسائی محال ہے ؎

گر نہ باشد فضل ایزد دستگیر
در ہمیں علم وعقل آئی اسیر

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک زبردست لشکرِ جرّار جس کا ہر ہر سپاہی فنِ سپہ گری کا ماہر اور قوّت وجرارت کا مالک ہونے کے باوجود جرنل وسپہ سالار کے حکم وارشاد کے خلاف محض اپنی قابلیت وطاقت کے بل بوتے پر اگر نقل وحرکت کر بیٹھے، تو جہاں فتح ونصرت سے محروم رہ کر اپنی ہلاکت وتباہی کا باعث بنے گا وہیں سپہ سالار کی ذمہ داری اور اس کے حفظ و

تبرکاتِ اکابر

معراج جسمانی

عقل و نقل کی روشنی میں

از شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ -

یہ ایک بدیہی اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جس طرح انسان اور جملہ مخلوقاتِ عالم اپنے وجود میں خالق و موجد کی محتاج و دستِ نگر ہے ٹھیک اُسی طرح اس کی بقار و زندگی کا مدار بھی رب العزت و پروردگارِ عالم کی رحمت و مشیت پر ہے۔

اسی طرح یہ بھی حقیقت واقعیہ ہے کہ موجوداتِ عالم میں اجناس کو انواع کا اور انواع کو افراد کا جامہ پہنانے والی وہ خصوصیات موہوبہ خداوندی ہیں جن کو خالق ارض وسماء نے اپنی مخلوقات میں علیحدہ علیحدہ ودیعت رکھا ہے، نباتات کو جمادات پر اگر کوئی فوقیت حاصل ہے تو صرف یہ کہ نباتات میں مادۂ نمو و ترقی موجود ہے۔ اور جمادات اس سے محروم، حیوانات کو نباتات پر اگر کوئی تفوق ہے تو یہ کہ اس میں علاوہ قوت نمو کے مادۂ حس و حرکت بھی موجود ہے۔ اور انسان کو حیوانات سے جدا کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف اس کی قوتِ ادراک و عقل و فہم و فراست ہی ہے جس کو قدرتِ کاملہ نے عطا فرما کر اور انسان کو مخلوقات ارضی و سماوی سے بزرگ و برتر بنا کر اپنی خلافت کے منصب جلیل کے لئے منتخب فرمایا

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ	اور البتہ ہم نے عزت دی ہے اولادِ آدم کو اور سواری دی ہم نے ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی

عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلاً ۔ ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر،

اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی محتاجِ دلیل نہیں کہ تمام مخلوق اپنی ان خصوصیات کے لحاظ سے متفاوت المرتبہ ہیں کسی میں کم اور کسی میں زیادہ اور چونکہ وہ عطار بنیر اور موہب خداوندی ہیں اس لئے ہر شخص کو حسب لیاقت وقابلیت حکیم مطلق کی طرف سے علیحدہ علیحدہ عطا کی گئی تو ظاہر ہے کہ عقل وعلم ادراک وفہم بھی ہر شخص کو حسب قابلیت عطا کیا گیا ہوگا ۔ اور یہ ایسی مشاہد چیز ہے کہ جس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ عقولِ انسانی نہ صرف باعتبار انواع بلکہ باعتبار افراد کے ہر ہر شخص کی مختلف و کم و بیش ہیں اور چونکہ عقل کامل علم نامتناہی خانۂ خداوندی ہے اسلئے مخلوق کا علم وفہم بھی محدود تخلقت ہونے کی طرح محدود وناقص ہی ہوگا۔ چنانچہ اسی دنیا میں جہاں ارسطو، فیثا غورث، افلاطون و جالینوس جیسے مجسمۂ عقل وحکمت کا وجود پایا جاتا ہے وہیں عقل سے کورے سفیہ وکودن لوگوں سے بھی دنیا خالی نہیں ۔

عقل محض رہبر کامل نہیں ہو سکتی

اس تفاوت علم وعقل سے صاف ظاہر ہے کہ محض عقل وعلم رہبر کامل و منزلِ مقصود کے لئے ہادی مطلق ہونے کے لئے کافی وضامن نہیں ہو سکتے بلکہ اس علم وادراک کی باگ جس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے بدون اس کی اعانت ودستگیری منزلِ مقصود تک رسائی محال ہے ؎

گر نہ باشد فضل ایزد دستگیر

در ہمیں علم وعقل آئی اسیر

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک زبردست لشکرِ جرار جس کا ہر ہر سپاہی فنِ سپہ گری کا ماہر اور قوت وجرارت کا مالک ہونے کے باوجود جرنل وسپہ سالار کے حکم وارشاد کے خلاف محض اپنی قابلیت وطاقت کے بل بوتے پر اگر نقل وحرکت کر بیٹھے، تو جہاں فتح ونصرت سے محروم رہ کر اپنی ہلاکت وتباہی کا باعث بنے گا وہیں سپہ سالار کی ذمہ داری اور اس کے حفظ و

معراج جسمانی

عقل و نقل کی روشنی میں

از شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی
الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔

یہ ایک بدیہی اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جس طرح ان [illegible] مخلوقاتِ عالم اپنے وجود میں خالق و موجد کی محتاج و دستِ نگر ہے ٹھیک اسی [illegible] بقاء و زندگی کا مدار بھی ربّ العزت و پروردگارِ عالم کی رحمت و مشیت پر ہے۔

اسی طرح یہ بھی حقیقت واقعیہ ہے کہ موجوداتِ عالم [illegible] کو انواع کا اور انواع کو افراد کا جامہ پہنانے والی وہ خصوصیات موہوبہ خداوندی [illegible]ن کو خالق ارض و سماء نے اپنی مخلوقات میں علیحدہ علیحدہ ودیعت رکھا ہے، نباتات کو جمادات پر اگر کوئی فوقیت حاصل ہے تو صرف یہ کہ نباتات میں مادۂ نمو و ترقی موجود ہے۔ اور جمادات اس سے محروم، حیوانات کو نباتات پر اگر کوئی تفوق ہے تو یہ کہ اس میں علاوہ قوت نمو کے مادۂ حس و حرکت بھی موجود ہے۔ اور انسان کو حیوانات سے جدا کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف اس کی قوتِ ادراک و عقل فہم و فراست ہی ہے جس کو قدرتِ کاملہ نے عطا فرما کر اور انسان کو مخلوقات ارضی و سماوی سے بزرگ و برتر بنا کر اپنی خلافت کے منصبِ جلیل کے لئے منتخب فرمایا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ

اور البتہ ہم نے عزت دی ہے اولادِ آدم کو اور سواری دی ہم نے ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی

ہم [illegible]

بہتوں سے جن کو بید [illegible]

اس کے ساتھ [illegible] نہیں کہ تمام مخلوق اپنی ان خصو[illegible]

متفاوت المرتبہ ہیں کسی میں کم اور کسی میں زیادہ [illegible] اور حسب خداوند

لئے ہر شخص کو حسب لیاقت وقابلیت حکیم مطلق کی طرف سے [illegible]

عقل وعلم ادراک وفہم بھی ہر شخص کو حسبِ قابلیت عطا کیا گیا ہوگا۔ اور یہ [illegible] ظاہر چیز ہے کہ

جس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ عقولِ انسانی نہ صرف باعتبار انواع بلکہ باعتبار افراد کے ہر ہر شخص کی مختلف

کم وبیش ہیں اور چونکہ عقل کا اصل علم نامتناہی خانۂ خداوندی ہے اسلئے مخلوق کا علم وفہم بھی محدود مخلوقات

ہونے کی طرح محدود وناقص ہی ہوگا۔ چنانچہ اسی دنیا میں جہاں ارسطو، فیثاغورث، افلاطون و

جالینوس جیسے مجسمۂ عقل وحکمت کا وجود پایا جاتا ہے وہیں عقل سے کورے سفیہ وکودن لوگوں سے

بھی دنیا خالی نہیں۔

عقل محض رہبر کامل نہیں ہو سکتی

اس تفاوتِ علم وعقل سے صاف ظاہر ہے کہ محض عقل وعلم رہبر کامل ومنزلِ مقصود کے لئے ہادی

مطلق ہونے کے لئے کافی وضامن نہیں ہو سکتے بلکہ اس علم وادراک کی باگ جس قادر مطلق کے ہاتھ میں

[illegible] اس کی اعانت ودستگیری منزلِ مقصود تک رسائی محال ہے ؎

گر نہ باشد فضل ایزد دستگیر

در رہیں علم وعقل آئی اسیر

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک زبردست لشکرِ جرّار جس کا ہر ہر سپاہی فنِ سپہ گری کا

ماہر اور قوت وجرارت کا مالک ہونے کے باوجود جرنل وسپہ سالار کے حکم وارشاد کے خلاف

محض اپنی قابلیت وطاقت کے بل بوتے پر اگر نقل وحرکت کر بیٹھے، تو جہاں فتح ونصرت سے

محروم رہ کر اپنی ہلاکت وتباہی کا باعث بنے گا وہیں سپہ سالار کی ذمہ داری اور اس کے حفظ و

امان سے نکل کر اپنی اس تباہی اور اس کے نتائج کا خود ذمہ دار ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ — جس نے بھلائی کی سو اپنے نفس کیلئے اور جس نے برائی کی تو اس کا خمیازہ اسی پر اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ — اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا پس اس نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ۔

ٹھیک اور بالکل ٹھیک اسی طرح حضرت انسان بھی اگر محض اپنی عقل وادراک کو رہبر کامل تصور کرکے اسی کے بل بوتے پر خدائی فرامین واحکامات کو غیر قابل وقعت یا اس کے سراپا حکمت و مصلحت صریح ارشادات کو سطحی طور سے اپنی محدود عقل کے خلاف سمجھکر اور ان میں کتر بیونت کرکے اپنی عقل کے تابع بنانے کی سعی کرے تو وہ بھی کسی طرح فائز المرام و بامراد نہیں ہوسکتا ۔

یہی وہ عقلی سفسطہ تھا جس نے فرمانِ الٰہی کے مقابلہ میں سب سے پہلے اجتہاد مطلق کرنے والے ابلیس کو ابدالآباد کے لئے راندۂ درگاہ کرکے ہمیشہ کیلئے خسران وحرمانی کے گڑھے میں گرادیا ۔

قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا — کہا (شیطان نے) کیا میں سجدہ کروں ایک ایسے شخص کو جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۔ — کہا (شیطان نے) میں بہتر ہوں اس سے مجھ کو تو نے نار سے پیدا کیا اور اسکو پیدا کیا مٹی سے

یہیں سے تقلید واجتہاد مطلق کے بھی بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑسکتی ہے (فتدبر) غرض یہ ہے کہ ناقص جب تک کامل کا تابع اور ارزل اشرف کا مطیع نہ ہو کامیابی فائز المرامی محال ہے ۔

منکرین معراج جسمانی کو عقلی دھوکہ

اسی عقل کی کوتاہی اور اس پر بھروسہ کرنے کی کجروی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

معراج جسمانی سے انکار کرنے پر لوگوں کو مجبور کیا جس کی خبر حق جل مجدہٗ نے اپنے کلام پاک میں نہایت صاف وصریح الفاظ میں دی ہے۔ ایک مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے اللہ کو اپنا خالق ومعبود قادر و پروردگار ماننے کے بعد اور رسول کو خدا کا سچا اور برگزیدہ پیغمبر تسلیم کرنے کے بعد کس طرح جرأت کر سکتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی خبر اور نبی کی کہی ہوئی بات پر شک و شبہ و تامل و توہم کی دلدل میں پھنسکر اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ کامل الایمان وراسخ العقیدہ تلمیذنے اس خبر کو سن کر آمنّا و صدّقنا کی لبیک بلند کی اور زمین و آسمان میں صدّیق کے معزز لقب سے نوازا گیا۔ لیکن جہاں اس وقت بغض و عناد کی بھڑکتی ہوئی آگ نے کھلی نشانیوں سے انکار کرنے پر مجبور کر کے ابدالآباد کی شقاوت منکرین کے نامۂ اعمال میں لکھ دی وہیں آج بھی نیچریت ومغربیت کی رو میں بہنے والے، عقل نارسا کو رہبر کامل تصور کرنے والے، یا اپنی نفسانی اغراض کے مقابلہ میں خدائی احکام وارشادات کو ٹھکرانے والے ایسے انسان موجود ہیں کہ جو کہیں خرق والتیام کے استحالہ کی آڑ میں اور کہیں طبقات ناریہ وزمہریریہ سے جسد عنصری سے گذر کو محال سمجھنے کے پردے میں اور کہیں اتنے قلیل عرصہ میں اتنی سیر و سیاحت کے ممتنع الوقوع ہونے کی دلدل میں پھنسکر یا تو سرے سے معراج ہی کے منکر ہو بیٹھے یا روایات قویہ کی تردید سے مجبور ہوکر بہت سے بہت معراج روحانی یا منامی کے قائل ہوگئے جیسا کہ سر سیّد مرحوم اور دیگر بندگانِ عقل و وہم، اور پنجاب کے مدّعی نبوّت قادیانی نے اپنے سے پہلے گم کردگانِ راہِ ہدایت کی تقلید میں نہایت صریح الفاظ میں معراج جسمانی کا انکار کر کے نہایت جرأت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ ازالۂ اوہام میں لکھا ہے:۔

" یہ معراج جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ واجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے الخ صـ ۴۷ "

یہ ہے پنجاب کے مدّعی نبوت کی قرآن دانی اور دعویٰ محبّت رسول کی حقیقت "

استحالات معراج جسمانی کی تردید

حالانکہ اگر عقل نارسا کی رہبری میں ہی اس مسئلہ پر غور فرمایا جاوے اور واقعات و مشاہدات کو سامنے رکھا جائے تو یقیناً ان فرضی توہمات کا جن اور سائنس و فلسفہ کا بھوت خود بخود ان کے سر سے اتر جائے "۔ لیکن جب ہی جب کہ اغراض و خواہشات نفسانی سے الگ ہو کر محض تلاشِ حق مقصود ہو۔

سُرعت رفتار۔ حرکت کی سُرعت و قلت رفتار چونکہ ایک اضافی چیز ہے جس کی کوئی حد و انتہا مقرر نہیں۔ جیسا کہ آج ریل اور موٹر و طیاروں وغیرہ کی حرکت عینی مشاہدہ ہے کہ اگر ریل گاڑی ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتی ہے تو موٹر کار ۳۰۰ میل فی گھنٹہ اور طیاروں کی اسٹیمی طاقت اس سے بھی زائد پرواز کر سکتی ہے۔ نیز بقول حکمائے جدید بجلی ایک منٹ میں پانچسو مرتبہ زمین کے گرد گھوم سکتی ہے اور بعض سیارے ایک ساعت میں ۸ لاکھ ۸۰ ہزار میل حرکت کر سکتے ہیں؛

نیز انسان کی حرکتِ شعاعیہ نظر اٹھا کر دیکھنے سے ایک آن میں ہزاروں میل آسمان تک بلکہ اگر سماوات حائل نہ ہوں تو اس سے بھی آگے پہونچ سکتی ہے"؛

تو جو خدا آگ اور پانی اور بجلی میں یہ طاقت دے سکتا ہے کہ جس کے ذریعہ انسانی دماغ اس درجہ سُرعت رفتار پر قدرت حاصل کرلے تو کیا اس خدا کی قدرت سے یہ چیز بعید ہے کہ وہی اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک جسم عنصری کو ایسے براق برق رفتار کی سواری سے چشم زدن میں کہیں سے کہیں پہنچا دے اور اتنی قلیل مدت میں سطح ارض سے گذر کر ملکوت و سماوات کی سیاحت کر کے واپس آجائے "؛ درآنحالیکہ" حضرت سلیمان پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد سے آصف بن برخیا کا آنکھ جھپکنے کے اندر بلقیس کے تخت کو اقصٰی یمن سے اقصٰی شام میں لا رکھنا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کا مہینوں کی مسافت کو منٹوں میں طے کرنا

قرآن عزیز میں مصرح موجود ہے۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ — بولا وہ جس کے پاس تھا علم کتاب لائے دیتا
اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ — ہوں تیرے پاس اس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے پھر
طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ — جب دیکھا اس کو رکھا ہوا اپنے پاس۔"

وایضًا قال تعالیٰ وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ وَقَالَ اَیْضًا وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۔ ۱ھ

یعنی ہم نے حضرت سلیمانؑ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ وہ ہوا ان کے تخت کو بہت تھوڑی دیر میں مہینوں کی مسافت پر لے جا کر رکھدیتی ہے۔"

توکیا ان مشاہدات کے ہوتے ہوئے بھی کسی بے عقل کی عقل اس پر مجبور کرے گی کہ جو خدا سلیمان علیہ السّلام پیغمبر کے لئے کثافت جرم کے ساتھ ان چیزوں کو آسان فرما دے، وہ اپنے محبوب و برگزیدہ باعثِ تخلیق عالم مجسمۂ انوار و برکات کے لئے تھوڑی سی دیر میں سیاحتِ سمٰوات وارض پر قدرت نہیں رکھتا۔"

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ — یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور کیا مرزا صاحب قادیانی اور ان کے امتی اس تحریر پر شرم کرنے کی ہمت کریں گے۔ کہ کسی بشر کا اس جسم کثیف کے ساتھ آسمانوں پر اٹھایا جانا خلاف قدرت اور خلافِ سنّت اللہ ہے۔ ازالۂ اوہام کلاں ص۲۵۶ ج ۲

طبقاتِ ناریہ و زمہریریہ سے جسم عنصری کا مرور اور اس کے مشاہدات

رہا طبقاتِ ناریہ و زمہریریہ سے کسی جسم عنصری کے گذر کو محال سمجھ کر معراج جسمانی کا انکار کرنا جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالۂ اوہام میں فرمایا ہے یہ بھی عدم تدبّر و عدم واقفیت

کی دلیل ہے کیونکہ طبقۂ ناریہ و زمہریریہ کا متوازی السطحین عہ ہونا جس سے استحالہ لازم آوے ا
ضروری نہیں بلکہ بقول بعض حکماء اگر اس کو بشکل ایلیجی یا شبیہ ایلیجی تسلیم کر لیا جاوے تو پھر کوئی
استحالہ ہی نہیں رہ جاتا۔ نیز گردش ایام دلیالی اور اختلاف موسم گرما و سرما کے ساتھ چونکہ حرارت
و برودت میں اختلاف شدت و ضعف ہونا ایک مشاہد چیز ہے جس کا کوئی احمق سے احمق بھی انکار
نہیں کر سکتا اس لئے بظن غالب کہا جا سکتا ہے کہ طبقات ناریہ و زمہریریہ کا کسی خاص مقدار
حرارت و برودت سے متصف ہونا اس خاصہ ذاتی نہیں بلکہ عرضی ہے۔ اور عوارض کا سلب بالاجماع
ممکن ہے تو اب کوئی استحالہ نہیں رہ جاتا معراج نبوی بجسدہ الاطہر میں کیونکہ ممکن ہے کہ بوقت
صعود و عروج جسد اطہر صلی اللہ علیہ وسلم بعض اجزاء حرارت و برودت بالکل غیر مضر ہوں، یا
حق تعالیٰ نے اُن کے اندر سے صفت حرارت و برودت ہی کو کچھ دیر کیلئے بالکل سلب کر لیا ہو
اور اپنی قدرت کاملہ سے نار کو نور سے بدل دیا ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ؕ	کہا ہم نے کہ اے آگ ہو جا برد و سلام ابراہیم (علیہ السلام) پر

نیز ممکن ہے کہ بوقت معراج شریف جسد اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا انوار و تجلیات
اور کثافت جرمی سے بالکل پاک بنا دیا گیا ہو جیسا کہ احادیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ
آپ کو حضرت جبرئیل و میکائیل نے زمزم کے پانی سے غسل دیکر اور قلب مبارک کو ہر قسم
کی کثافت و آلائش سے پاک و صاف کرکے انوار و حکمت الٰہیہ سے پُر کر دیا تو جبکہ جسم اطہر سراپا نور
و تجلیات الٰہیہ ہو گیا تو پھر برودت و حرارت کے اثر سے کیا تعلق؛ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ زمزم
کے خواص سے یہ چیز بھی ہو کہ حرارت و برودت اس پر بالکل اثر نہ کرے۔ جیسا کہ اسپرٹ کا مشاہدہ
ہے کہ جس چیز پر ڈالی جاتی ہے وہ نہیں جلتی۔ نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ برودت و حرارت
کا اثر جسم عنصری پر اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ جسم عنصری کا استقرار و قیام قلیل و کثیر اس میں

عہ یعنی دو طبقات کے اجزاء کا ایک دوسرے سے متصل ہونا۔

پایا جاوے جیسا کہ ہر انسان مشاہدہ کرسکتا ہے کہ دہکتی ہوئی آگ کی لپٹوں میں کسی چیز کو تیزی سے اگر حرکت دی جائے جیسا کہ بسا اوقات بچے آگ کی لپٹوں میں جلدی جلدی اپنے ہاتھ کو تیزی سے پھراتے ہیں اور آگ بالکل اثر نہیں کرتی۔

تو جب کہ احادیث صحیحہ سے یہ چیز ثابت ہے کہ آپ کی سواری "براق برق رفتار" کے ایک قدم کی سُرعت حرکت تا حد بصر تھی تو پھر استقرار و قیام ہی جب کہ نہ ہوا تو اثر سے کیا واسطہ۔ نیز بُراق جنت کا گھوڑا ہونے کے باعث ظاہر ہے کہ کثافت و جرمیت دنیاوی سے بالکل پاک و صاف ہوگا۔ اور یہ مشاہدہ ہے کہ ایک غیر اثر قبول کرنے والی چیز کے ساتھ ملکر دوسری چیز بھی اُسی کے اثر میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ لکڑی اور اس کے ساتھ ملی ہوئی دوسری چیز پر بجلی کا اثر نہ کرنا عینی مشاہدہ ہے۔

نیز فرشتوں کا آسمانوں سے اُترنا اور چڑھنا۔ جنات و شیاطین کا بعض اوقات سماء دنیا تک جاکر لوٹنا احادیث سے ثابت ہے۔ نیز جب کہ حسب تصریحات قرآنی حضرتِ آدم و حوا کا جنت سے ہبوط اور زمین پر نزول جو یقیناً انہی طبقات سے ہو کر ہوا ہوگا مسلّم، اور قوم موسیٰ پر آسمانوں سے مائدہ کا نزول جو یقیناً اسی راستہ سے ہوا ہوگا۔ قابلِ تسلیم ہے۔

"تو پھر ان مشاہدات کے ہوتے ہوئے، حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسدہ العنصری عروج و نزول کیوں محال اور خلافِ عقل معلوم ہو، اور ساتھ ہی خدائے قدیر و توانا اپنی قدرت کاملہ سے اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ اٹھالے تو کیا استحالہ و استبعاد ہے"، اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

معراج جسمانی کا ثبوت قرآنی تصریحات سے

آیت اسرار کو غور سے ملاحظہ فرمائیے تو اس میں خود ایسے قرائن بلکہ صریح الفاظ موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے معراجِ جسمانی میں شک و شبہ کی گنجائش تک باقی نہیں رہتی۔

(۱) سُبْحَانَ الَّذِیْ لفظ سبحان خود واقعہ کی عظمت وشان اور اس کے امر عظیم ہونے کی طرف اشارہ ہے اور معراج روحانی کوئی امر عظیم و قابل تعجب چیز نہ تھی جیسا کہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

فالتسبیح انما یکون عند الامور العظام فلو کان مناما لم یکن فیہ کبیر شیئ ولم یکن مستعظما (ابن کثیر ص ۲۱۲ ج ۲)	پس لفظ تسبیح جز این نیست کہ ہوتا ہے امور عظام کے لئے۔ اگر معراج منامی ہوتی تو اس میں کوئی شے تعجب افزا اور عظمت خیز نہ ہوتی

(۲) اَسْرٰی۔ اسرار کا لفظ جس کے معنیٰ چلنے اور سیر کرنے کے لئے ہیں بیداری کی حالت کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے۔ خواب یا مکاشفہ کیلئے نہیں ؛ جیسا کہ قرآن پاک میں متعدد جگہ وارد ہوا ہے

قَالُوْا یَا لُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّیْلِ۔ وَ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۞۔

(۳) بِعَبْدِہٖ۔ لفظ عبد کا اطلاق جسد مع الروح پر آتا ہے محض روح کو عبد نہیں کہا جاتا اور قرآن پاک میں اسرار کی نسبت عبد کی طرف کی گئی ہے۔ روح عبد کی طرف نہیں کی گئی ہے۔ ارشاد ہے اِسْرٰی بِعَبْدِہٖ ابن کثیر میں ہے ؛

فَاِنَّ الْعَبْدَ عِبَارَۃٌ عَنْ مَجْمُوْعِ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ	تحقیق عبد عبارت ہے مجموعہ روح مع الجسد سے۔

چنانچہ قرآن پاک میں جہاں کہیں لفظ عبد آیا ہے اس سے روح مع الجسد ہی مراد لیا لیا گیا ہے محض روح نہیں لی جا سکتی ؛

قال اللہ تعالیٰ وَ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا الخ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا اَیُّوْبَ اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ۞

اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ، نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ

عَلَیْهِمْ بِسُلْطَانٍ، کُوْنُوْا عِبَادًا لِیْ، اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی عَبْدًا۔ وغیرہ، وغیرہ۔
تو اصطلاح قرآن کے موافق یہاں بھی عبد سے مراد روح مع الجسد ہی ہو سکتی ہے نہ کہ محض رُوح

(۴) لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا؛ تاکہ دکھلادیں ہم اس کو اپنی نشانیاں دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ؛ تو لوگوں کے لئے فتنہ وابتلار محض کشفی وروحانی رویت نہیں ہوسکتی اور نہ ہوئی۔ بلکہ وہ بجسدہ العنصری آسمانوں کی سیر اور حق تعالیٰ سے مکالمہ ومشاہدہ تھا جس کو سُنکر اہلِ قریش نے انکار کیا تھا ورنہ منامی وکشفی معراج سے تو کوئی بھی نہیں انکار کرسکتا تھا۔ اور نہ وہ ابتلار وفتنہ کا محل تھا۔

(۵) فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی؛ آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے بعد بھی عبد کا لانا اس کی صریح دلیل ہے کہ وہاں وحی الٰہی اور مکالمہ ربّانی روح مع الجسد ہی سے ہوا نیز بصر کا لفظ بھی اس کا قوی قرینہ ہے کہ یہ واقعہ بحالتِ بیداری ہی ہوا۔

(۶) ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی، لفظ دنیٰ اور قرب ونزدیکی حق جلّ مجدہٗ کو بقدر قدّت بعد قوسین او ادنیٰ کے ساتھ تعبیر فرمانا بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ قربت جسدی مراد ہے اس لئے کہ تشبیہ شے محدود کے ساتھ شئے معین کی ہی ہو سکتی ہے

غرض کلام پاک کی ان چند تصریحاتِ بالا سے یہ چیز نہایت واضح ہو جاتی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی نہ کہ صرف روحانی یا منامی۔

معراج جسمانی کا ثبوت احادیث سے

تفصیل واقعہ معراج شریف کے دیکھنے سے بھی جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو احوال وانکشافات معراج کے وقت ظہور پذیر ہوئے وہ تمام معراج جسمانی

کے ساتھ چسپاں ہوتے ہیں۔ محض روح کے ساتھ اُن کا تعلق صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت ام ہانیؓ کے دولت کدہ پر بحالتِ استراحت یکایک چھت کا پھٹ کر فرشتہ آنا اور آپ کو جگا کر مسجد حرام میں زمزم پر لیجا کر قلب مبارک کو مار زمزم سے دھو کر اس کو حکمت، ایمان و عرفانِ الٰہی سے بھرنا۔ براق پر سوار ہو کر معراج کو تشریف لے جانا در آنحالیکہ براق پر جسد ہی سوار ہو سکتا ہے۔ محض روح کہ ایک لطیف و غیر مرئی چیز ہے گھوڑے پر کیسے سوار ہو سکتی ہے۔ حضرت جبرئیلؑ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر آسمانوں پر چڑھنا کما جاء فی الحدیث ثم اخذ بیدی فعرج بی الی السّماء۔ پھر آسمانوں پر انبیاء علیہم السّلام سے سلام و کلام اور تقرب الٰہی کے بعد نمازوں کا فرض اور آپ کی استدعا تخفیف وغیرہ وغیرہ یہ جملہ امور اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ یہ احوال بحالتِ بیداری جسم اطہر کے ساتھ پیش آئے۔ جیسا کہ ابن کثیر میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ عَلٰی دَابَّۃٍ یقال لہا البراق ولو کان الاسراء بروحہ لم تکن الروح محمولۃ علی البراق اذ الدّواب لا تحمل الا الاجسام۔	البتہ اللہ نے سیر کرائی اپنے بندے کو دابہ پر جس کو براق کہتے ہیں اور اگر اسرا محض روح کی ہوتی تو روح کو براق پر نہیں اٹھایا جاتا کیونکہ چوپائے جسم کو ہی اٹھاتے ہیں۔

اور اسی پر اسلافِ عظام اور ائمہ دین کا وہ زبردست اجماع ہے کہ جس کے سامنے منکر معراج جسمانی غلام احمد قادیانی کو بھی جب تک اُس کو خود عیسیٰؑ و محمدؐ بننے کا خبط سوار نہ ہوا تھا نہایت صریح لفظوں میں سرِ تسلیم خم کرنا پڑا ہے، چنانچہ ازالۂ اوہام میں ہے "باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع جسمی کے بارہ میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا الخ ص۲۸۹ ج ۱۔" —— امید کہ منکرین معراج جسمانی کے لئے یہ تحریر موجبِ ہدایت ہوگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مولانا عبد القدوس ہاشمی

صُفّہ
اور
اصحابُ صُفہ

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے ساتھ مسجد کے باہر بجانب شمال ایک چبوترہ تھا۔ اس چبوترے پر ساری مسجد نبوی کی طرح کھجور کی پتیاں ڈالکر ایک چھپرا بنا دیا گیا تھا۔ اس کو صفۃ المسجد کہا جاتا تھا۔ جو بعد کو مختصر ہو کر "الصفہ" کہلانے لگا۔ مختلف زمانوں میں وہ صحابہ جو بے خانماں تھے وہ اس چبوترے پر رہا کرتے تھے۔ اور دن کے وقت وہاں بیٹھ کر دوسرے صحابۂ کرام بھی قرآن مجید یاد کرتے تھے۔ مختلف اوقات میں مختلف بزرگوں کی یہی چبوترہ رہائش گاہ رہا ہے۔ کسی کے لئے طویل مدت تک اور کسی کے لئے بہت تھوڑی مدت تک اور شاید کسی کیلئے شروع سے وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ مستقل اقامت گاہ نہیں رہا۔ یہ قدسی صفات بزرگ زمانہ قیام صفہ میں اپنا زیادہ وقت قرآن مجید اور کلامِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے علم دین حاصل کرنے میں صرف کیا کرتے تھے یا پھر ان خدمات کی انجام دہی میں اپنا وقت صرف کرتے جو وقتاً فوقتاً حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے سپرد کی جاتی تھیں، وہ آپ کا پیغام قبائل تک پہنچاتے، کبھی کبھی نومسلم جماعت کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کیلئے بعض دوسرے مقامات پر بھی متعین کئے جاتے تھے۔ ان بزرگوں کو اسلامی تاریخ اور سیر میں اصحاب صفہ، اہل صفہ اور ارباب صفہ سے یاد کیا جاتا ہے اس مختصر سی تحریر میں ان ہی بزرگوں اور ان کے "الصفہ" کا ذکر مقصود ہے۔ وما توفیقی الا من اللہ العلیم الحکیم ٥

لفظی تشریح اَلصُّفَّۃُ کا مادہ لغوی، ص، ف، ف ہے۔ یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس لفظ کا کوئی ص، ف، و، یا ص، و، ف یا ص، ی، ف کے مادوں سے ہے یہ مادہ مضاعف ہے یعنی ایک صاد اور دو فاء اس میں ہیں۔ یہ مادہ معتل نہیں یعنی اس میں کوئی حرف علت الف، واؤ یا یائے شامل نہیں ہے اور نہ کسی صرفی تبدیل وتقلیب میں حرف علت شامل ہو سکتا ہے

الصُّفَّۃ مادہ صفف سے بروزن فُعْلَۃٌ اسم صفت یعنی حاصل مصدر ہے۔ اس وزن پر عربی میں سینکڑوں ہی اسماء صفات آتے ہیں مثلاً شُعْلَۃٌ، عُمْدَۃٌ، قُدْوَۃٌ، فُضْلَۃٌ وغیرہ وغیرہ،

مادہ صَفَّ کے اصلی معنیٰ انسانوں، جانوروں یا کسی شے کا ترتیب کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہونا ہے۔ اسی لئے تحریر میں حروف اور الفاظ کے برابر قائم ہونے کو صفۃ اور سطر بھی کہتے ہیں۔ کسی بڑی تعمیر کے برابر کوئی چبوترہ بیٹھنے کے لئے بنا دیا جائے تو صفۃ البناء یا صفۃ البیت کہتے ہیں مسجد کے ساتھ ایسی نشست گاہ بنائی جائے تو اُسے صفۃ المسجد کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ فرق بھی بتایا ہے کہ بیٹھنے کی یہ جگہ کھلی ہو تو شرفۃٌ اور اگر اوپر چھپر ہو تو اُسے سقیفہ یا صفۃ کہا جائے گا۔ سقیفہ بہت بڑے چبوترے کو کہتے ہیں اور صفۃ چھوٹے سے مسقف چبوترے کو۔

لفظ صفہ کی لغوی ولفظی تشریحات عربی زبان کی تمام ضخیم اور مستند لغات میں دیکھی جا سکتی ہیں، مثلاً الصحاح للجوہری، قاموس اللغۃ للفیروز آبادی، لسان العرب لابن منظور الافریقی اور سب سے زیادہ تاج العروس من جواہر القاموس للزبیدی میں

جو لوگ تصوف، صفا، صفی وغیرہ الفاظ کو لفظ صفہ سے مربوط کرتے ہیں وہ عربی لغات کے لحاظ سے صحیح ربط قائم نہیں کرتے۔ ان الفاظ اور لفظ صفہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ صوف، صفی، صفا، وصف۔ اصف اور صفو وغیرہ الفاظ سب کے سب معتل ہیں۔ یعنی ان کے

حروف مادّہ میں حروف علّت (او ی) داخل ہے۔ اس کے برخلاف صفہ کا مادہ مضاعف ہے۔ اس میں ایک حرف صاد اور دو حرف فار شامل ہیں۔ مضاعف میں تعلیل صرفی سے حرف علّت پیدا ہونے کی صورت عام طور پر عربی زبان میں نہیں ہوا کرتی۔

صفّہ کیسے بنا؟ مسجد نبوی کے ساتھ صفّہ مدینہ منورہ کے یا عام عرب آبادیوں کیلئے کوئی نادر اور جدید بات نہ تھی۔ گھروں کے ساتھ باغوں میں اور شکار گاہوں میں اس طرح کی بیٹھکیں بنائی جاتی تھیں اور انھیں صفّہ ہی کہا جاتا تھا۔ گھوڑے کی زین اور اونٹ کی کاٹھی پر نرم جگہ بنانے کیلئے نرم گھاس کی ایک گدی بناتے اسے بھی صفۃ الرحال کہتے تھے۔

۶۲۲ء، ۱ھ کے ماہ ربیع الاوّل میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخلص و بے مثال دوست اور امتی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لیکر مدینہ منوّرہ (اسوقت یثرب) کے قریب مقام قبا میں تشریف لائے تو آپ نے نزول قرآن مجید کے بعد پہلی مسجد مقام قبا میں تعمیر فرمائی۔ مہاجر صحابہ کی بڑی تعداد پچھلے چند ماہ کے اندر تھوڑے تھوڑے آگے پیچھے ہجرت کر کے یہاں پہنچ چکی تھی اور اب یہ طے شدہ بات تھی کہ آئندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل قیام گاہ یثرب ہی ہوگا۔ اور اسی کو اسلامی تبلیغ کے مرکز ہونے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔ مسلمانوں نے دار الہجرت کو مدینۃ النبیؐ کہنا شروع کیا جو بعد کو المدینہ کے نام سے مشہور ہوا۔ قرآن حکیم میں اس شہر کے دونوں نام یثرب اور المدینہ کا ذکر آیا ہے۔

اب مدینہ منوّرہ میں چند لوگ تو وہ آگئے جو ہجرت کر کے آئے اور کوئی ٹھکانہ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد نبویؐ میں رات گذارنے کے لئے ٹھہرے۔ اسلامی تبلیغ کا دائرہ اور وسیع ہوا تو دور افتادہ قبیلوں سے لوگ دین کی تعلیم حاصل کرنے کو آنے لگے، وہاں مدینہ میں کوئی مہمان خانہ یا ہوسٹل تو تھا نہیں، ابتداءً جو مہاجرین آئے ان کے اور انصار مدینہ کے مابین مواخاۃ یعنی بھائی چارہ قائم کر دیا گیا تھا اور وہ اپنے انصاری بھائیوں کی مدد سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے

کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن دو چار ایسے بھی تھے کہ وہ مستقل طور پر مدینہ میں رہنے بسنے کو نہیں آئے تھے بلکہ کچھ دنوں کے لئے تھے کہ اس مختصر سی مدّت میں دین اسلام کی تعلیم خود زبان فیض رساں وحی و نبوتؐ سے حاصل کریں اور اس کے بعد واپس جا کر اپنے قبیلوں کو دین کی تعلیم دیں

ایک بات یہ بھی اب نئی پیدا ہو گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداری میں اب مدینہ کی شہری مملکت پیدا ہو گئی تھی۔ سربراہ قوم کو اس کی ضرورت تھی کہ اس کے احکام انتظامی کی تعلیم اور دوسری آبادیوں کو اس کے احکام پہنچانے کے لئے رضا کاروں کی ایک جماعت ہر وقت اسکے پاس موجود ہو جو بسر و چشم اس کے احکام کی تعمیل کے لئے تیار رہے، جہاں بھیجا جائے فوراً روانہ ہو جائے اور جس کو اطلاع پہنچانے کا کام اس کو سپرد کیا جائے وہ اس کام کی تکمیل میں اپنے گھریلو کاموں کی وجہ سے عاجز نہ ثابت ہو، یہ بالکل ظاہر ہے کہ ایک دن میں سارے امور کی تکمیل ممکن نہیں ہوتی۔ کسی حکومت و مملکت کے ضروری اجزاء کی تکمیل ہمیشہ آہستہ آہستہ اور تدریجی طور پر ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے رضا کاروں کے لئے سر چھپانے کی جگہ بھی فوراً کہاں بن سکتی تھی۔ جب کہ ہمیں یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہئے کہ مدینہ میں آکر بسنے والے مہاجرین بلکہ پہلے سے وہاں بسے ہوئے انصار بھی بڑے بڑے وسائل معاش کے مالک نہ تھے اور نہ مملکت مدینہ کے پاس ٹیکسوں اور جائیدادوں سے کروڑوں کی آمدنی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ موجود تھا۔ اس صورت میں مسجد کے پاس ایک چھوٹا سا چبوترہ جس پر کھجور کی پتیوں سے چھپر اڈال دیا گیا تھا وقتی طور پر ضرورت کی تکمیل کے لئے بنا لیا گیا تھا۔ اسی چبوترے کو زمانے کی عام بولی میں صفۃ المسجد کہتے تھے

دو یا تین صحابیانِ کرام کے سوا کوئی بہت بڑی تعداد اصحاب صفہ کی ہمیشہ نہیں رہتی تھی، کبھی دو تین شخص ہی ہوتے تھے اور کبھی دس بیس۔ یہ بھی خیال صحیح نہیں ہے کہ یہ لوگ ہر وقت تسبیح و تہلیل ہی میں لگے رہتے تھے اور کچھ نہ کرتے تھے۔ صفہ کوئی مٹھ یا گھور تپسیا کا آشرم نہ تھا جہاں لوگ ہر وقت یا کم از کم روزانہ مقررہ وقت پر گیان، دھیان، مراقبہ اور مکاشفہ میں مشغول ہوتے تھے، یا یہ لوگ ایسے تھے کہ دنیاوی علاقات سے ہمیشہ کیلئے دستبردار ہو کر بدھ مت کے مونڈوں کی

طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت بلال رضؓ حضرت عبداللہ بن اُمِّ عبدہ رضؓ حضرت ابوہریرہ رضؓ، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضؓ وغیرہ تو مشہور صحابی صفّہ میں سے ہیں۔ ان کی سوانح عمریوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جہاں جہادوں میں حِصّہ لیتے تھے وہاں مالِ غنیمت میں سے حِصّہ بھی پاتے تھے۔ انھوں نے شادیاں بھی کیں، صاحبِ اولاد ہوئے، ان سے نسلیں چلیں اور آج تک بعض کی نسلیں موجود ہیں۔ کیا حضرت ابوہریرہ رضؓ کی صاحبزادی حضرت سعید بن المسیبؒ کے نکاح میں نہ تھیں کیا حضرت انس رضؓ بن مالک نے ۹۳ھ میں تقریباً ایک سو پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں چھوڑ کر وفات نہیں پائی۔

صحابہ وصحابیات کے معروف ضخیم تذکرے مثلاً الاستیعاب لابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ اسد الغابہ لابن الجزری المتوفی ۶۳۰ھ اور الاصابہ لابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کو پوری طرح چھان ڈالئے ایسے پانچ اصحاب کا تذکرہ بھی نہیں ملے گا۔ جنھوں نے چھ سات سال صاحب الصفہ کی حیثیت سے زندگی بسر کی ہو اور تین صحابہ حضرت ابوہریرہ رضؓ، حضرتِ انس رضؓ، اور حضرت بلال رضؓ کے علاوہ کسی چوتھے صحابی کا ذکر نہیں ملے گا جنھوں نے مقیم صفّہ ہونے کی چھوٹی یا بڑی مدّت میں خود اپنے لئے معاش محنت مزدوری، زراعت یا ملازمت سے حاصل نہ کی ہو، اور ایک بھی ایسے صاحبِ الصفہ صحابی کا ذکر نہیں ملے گا۔ جنھوں نے پھونگیوں، نہنگوں، راہبوں اور جوگیوں کی طرح تارک الدنیا بن کر گیان ودھیان میں زندگی بسر کی ہو۔ وقتی طور پر ہفتہ دو ہفتہ کے لئے فقر وفاقہ کے ساتھ خیرات ومیرات پر بسر کرنے والے بھی دو چار ہی ملیں گے۔ جن میں مذکورہ بالا بزرگ داخل ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض اصحاب صفّہ سرکاری نوکری پر بھی تھے، کوئی صدقہ کے اونٹوں کی نگرانی پر، کوئی زکوٰۃ کی وصولی پر اور کوئی تعلیم قرآن مجید پر مامور تھا۔ خوشحال صحابہ ان کی کبھی کبھی امداد بھی فرماتے تھے۔ لیکن امداد پر ہی ان کا گذارہ نہ تھا بلکہ وہ اپنی محنت اور وقت کے عوض تنخواہیں اور اجرتیں پاتے تھے۔ بعض وہ لوگ بھی تھے جو دوسرے صحابہ کے زراعتی وتجارتی کاموں میں شریک ہو کر مزدوریاں کرتے تھے اور فارغ وقت میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔

متعدد بزرگ وہ بھی تھے جنھوں نے دوچار مہینے صفّہ پر رہنے کے بعد اتنی مزدوری کمائی کہ نکاح کرکے اپنا گھر بسالیا پھر بھی محنت مزدوری سے جو وقت بچ گیا وہ صفّہ پر پابندی کے ساتھ بیٹھ کر علمِ دین حاصل کرنے میں صرف کرتے رہے

غرض یہ کہ صفّہ ایک جگہ تھی جس پر مختلف اوقات میں اور مختلف مدّتوں کے لئے حسب ذیل مقاصد سے مدینہ منوّرہ آنے والے لوگ مقیم ہوتے رہے ۔

الف :- وہ لوگ جو صرف اللہ کے لئے ملّی خدمات انجام دینا چاہتے تھے یعنی تحریک اسلامی کے مخلص رضا کار تھے لیکن یہ لوگ مستقلاً صفہ پر نہیں رہتے تھے اور نہ بڑی مدّت تک وہاں مقیم رہتے بلکہ اکثر وہ تعمیل ارشاد نبویؐ کے لئے دوسرے مقامات پر سفر میں ہوتے تھے۔

ب :- وہ لوگ جو بہت غریب تھے اور مواخاۃ کے بعد آئے تھے۔ ان کا کوئی رشتہ دار مدینہ منوّرہ میں تھا اور نہ کوئی دوست ۔ یہ لوگ کوئی ٹھکانا مل جانے اور آبادکاری کی کوئی صورت پیدا ہونے تک صفّہ پر رہا کرتے تھے ۔

ج :- وہ لوگ جو تعلیم حاصل کرنے کیلئے تھوڑے دنوں کے لئے مدینہ منوّرہ آتے تھے لیکن چونکہ وہاں اُن کے لئے کوئی ہوسٹل یا مہمان خانہ نہ تھا اسلئے وہ اپنے قیام کی مدّت صُفّہ پر گذارتے تھے ۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں خصوصی حکم دیا گیا تھا:۔

وان احد من المشركين استجارك فاجره حتّٰى يسمع كلام الله ثم ابلغه مأمنه ذٰلك بانهم قوم لا يعلمون (سورۃ التوبہ آیت ۷)	ترجمہ :۔ "اور اگر کوئی مشرکین میں سے تمہاری پناہ میں آجائے تو اُسے پناہ دیدو تاکہ اللہ کا کلام سنے پھر اُسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو، یہ اسلئے ہے کہ یہ لوگ بے علم ہیں۔"
وَمَا كان المؤمنون لينفروا كافة فلو لا نفر من كل فرقة طائفة ليتفقهوا	ترجمہ :۔ ایمان والوں کیلئے یہ مناسب نہیں کہ سب لوگ نکھر جائیں، کیونکہ نہ ہر گروہ سے کچھ لوگ

فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون ○ (سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲)

(ٹھہر جائیں) تاکہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب واپس اپنی قوم میں جائیں تو ان کو اللہ کا خوف دلائیں، شاید وہ لوگ کفر سے پرہیز کرنے لگیں

د :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے غیر مسلم مہمان

ہ :۔ وہ لوگ جو وقتاً فوقتاً وفود کی صورت میں یا تنہا مدینہ منورہ آیا کرتے تھے تاکہ ہدایات نبوی ؐ سے بہرہ یاب ہوں

صفہ کب بنا؟

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ صفہ مسجد نبوی مدینہ منورہ سے ملحق ایک مسقف چبوترہ تھا۔ اس کا محلِ وقوع یہ ہے کہ مسجد نبوی ؐ کے صحن سے باہر مشرق کی طرف قبلہ سے مخالف سمت یعنی شمال میں مسجد کے دروازہ سے باہر ایک چبوترہ تھا۔ کہیں اس کی پیمائش کا ذکر تو روایات میں نظر سے نہیں گزرا لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تقریباً بیس فٹ طویل اور تقریباً ۱۵ فٹ عریض چبوترہ تھا۔ یہ چبوترہ کب بنایا گیا تھا، اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ لیکن چونکہ ۲ھ میں غزوۂ بدر سے پہلے اور ۱۱ھ وفاتِ رسول ؐ کے بعد صفہ اور اہل صفہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا اسلئے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صفہ تقریباً سات یا آٹھ سال تک قائم رہا۔ اس اثناء میں مندرجہ بالا چاروں قسم کے لوگ مختلف اوقات میں مختلف مدتوں کیلئے مقیم رہے

اگر صفہ کوئی مستقل خانقاہ یا زاویہ ہوتا تو عہد صدیقی و عہد فاروقی میں بھی قائم رہتا ختم نہ ہو جاتا۔ ہمیں تاریخی روایتوں میں وفاتِ رسول ؐ کے بعد صفہ و اہل صفہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ عہد فاروقی میں، جو وظائف مجاہدین اور امہات المؤمنین کے لئے مقرر کئے گئے اس سلسلہ میں اہل صفہ کا کوئی ذکر ملتا ہے۔

صفہ کب بنا تھا؟ اس کے لئے صفہ کا محلِ وقوع خود ایک دلیل ہے۔ صفہ مسجد نبوی کے باہر کی جانب شمال میں تھا اور یقیناً وہ تحویل قبلہ یعنی ۱۵ ر شعبان ۲ھ کے بعد ہی بنا

متعدد بزرگ وہ بھی تھے جنھوں نے دو چار مہینے صفّہ پر رہنے کے بعد اتنی مزدوری کمائی کہ نکاح کر کے اپنا گھر بسالیا پھر بھی محنت مزدوری سے جو وقت بچ گیا وہ صفّہ پر پابندی کے ساتھ بیٹھ کر علمِ دین حاصل کرنے میں صرف کرتے رہے

غرض یہ کہ صفّہ ایک جگہ تھی جس پر مختلف اوقات میں اور مختلف مدّتوں کے لئے حسب ذیل مقاصد سے مدینہ منوّرہ آنے والے لوگ مقیم ہوتے رہے ۔

الف :۔ وہ لوگ جو صرف اللہ کے لئے ملّی خدمات انجام دینا چاہتے تھے یعنی تحریکِ اسلامی کے مخلص رضاکار تھے لیکن یہ لوگ مستقلاً صفّہ پر نہیں رہتے تھے اور نہ بڑی مدّت تک وہاں مقیم رہتے بلکہ اکثر وہ تعمیلِ ارشادِ نبوی کے لئے دوسرے مقامات پر سفر میں ہوتے تھے۔

ب :۔ وہ لوگ جو بہت غریب تھے اور مواخاۃ کے بعد آئے تھے۔ ان کا کوئی رشتہ دار مدینہ منوّرہ میں تھا اور نہ کوئی دوست ۔ یہ لوگ کوئی ٹھکانا مل جانے اور آبادکاری کی کوئی صورت پیدا ہونے تک صفّہ پر رہا کرتے تھے۔

ج :۔ وہ لوگ جو تعلیم حاصل کرنے کیلئے تھوڑے دنوں کے لئے مدینہ منوّرہ آتے تھے لیکن چونکہ وہاں اُن کے لئے کوئی ہوسٹل یا مہمان خانہ نہ تھا اسلئے وہ اپنے قیام کی مدّت صفّہ پر گذارتے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں خصوصی حکم دیا گیا تھا:

وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله ثم ابلغه مامنه ذلك بانهم قوم لا يعلمون

سورۃ توبہ آیت ۶

ترجمہ:۔ اور اگر کوئی مشرکین میں سے تمہا[رے پاس] آجائے تو اُسے پناہ دیدو تاکہ اللہ کا کلا[م سنے] پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ [اس لئے ہے کہ] یہ لوگ بے علم ہیں۔

[illegible]

[illegible]

فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا	ٹھہر جائیں) تاکہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں
الیھم لعلھم یحذرون ۰	اور جب واپس اپنی قوم میں جائیں توان کو اللہ کا
(سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲)	خوف دلائیں، شاید وہ لوگ کفر سے پرہیز کرنے لگیں

و :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے غیر مسلم مہمان

ھ :۔ وہ لوگ جو وقتاً فوقتاً وفود کی صورت میں یا تنہا مدینہ منورہ آیا کرتے تھے تاکہ ہدایات نبوی ؐ سے بہرہ یاب ہوں

صُفّہ کب بنا؟

جیساکہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ صفّہ مسجد نبوی مدینہ منورہ سے ملحق ایک مسقف چبوترہ تھا۔ اس کا محلِ وقوع یہ ہے کہ مسجد نبوی ؐ کے صحن سے باہر مشرق کی طرف قبلہ سے مخالف سمت یعنی شمال میں مسجد کے دروازہ سے باہر ایک چبوترہ تھا۔ کہیں اس کی پیمائش کا ذکر تو روایات میں نظر سے نہیں گذرا لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تقریباً بیس فٹ طویل اور تقریباً ۱۵ فٹ عریض چبوترہ تھا۔ یہ چبوترہ کب بنایا گیا تھا، اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ لیکن چونکہ ۲ھ میں غزوۂ بدر سے پہلے اور ۱۱ھ وفاتِ رسول ؐ کے بعد صفہ اور اہل صفّہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا اسلئے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صفّہ تقریباً سات یا آٹھ سال تک قائم رہا۔ اس اثناء میں مندرجہ بالا چاروں قسم کے لوگ مختلف اوقات میں مختلف مدّتوں کیلئے مقیم رہے

اگر صفّہ کوئی مستقل خانقاہ یا زاویہ ہوتا تو عہد صدّیقی و عہد فاروقی میں بھی قائم رہتا ختم نہ ہو جاتا۔ ہمیں تاریخی روایتوں میں وفاتِ رسول ؐ کے بعد صفہ و اہل صفّہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ عہد فاروقی میں، جو وظائف مجاہدین اور امّہات المؤمنین کے لئے مقرر کئے گئے اس سلسلہ میں اہل صفّہ کا کوئی ذکر ملتا ہے۔

صفّہ کب بنا تھا؟ اس کے لئے صفہ کا محلّ وقوع خود ایک دلیل ہے۔ صفّہ مسجد نبوی کے بیرونی جانب شمال میں تھا اور یقیناً وہ تحویل قبلہ یعنی ۱۵ ر شعبان ۲ھ کے بعد ہی بنا

ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک مسجد نبوی کا قبلہ جانبِ شمال تھا۔ جب کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو جنوبی رُخ پر قبلہ کی دیوار بنائی گئی اور شمالی رُخ خالی ہوگیا۔ پھر حدودِ مسجد سے باہر شمالی رُخ پر یہ چبوترہ بنا ہوگا۔ بہرحال اس کے بعد بھی کوئی ذکر اس کا غزوۂ بدر کبریٰ سے پہلے نہیں ملتا ہے۔ غزوۂ بدر کبریٰ رمضان ۲ھ میں ہوا تھا۔

اصحابُ الصفّہ مختلف اوقات میں کتنے لوگ صفہ پر قیام پذیر ہوئے۔ ان کی مکمل یا غیر مکمل کوئی فہرست مہیا کرنا ممکن نہیں ہے۔ سات یا آٹھ سال کی مدّت میں جب کہ صفۃ المسجد واردان مدینہ کیلئے وقتی قیامگاہ رہا سینکڑوں ہی اشخاص کو اس چبوترے پر قیام پذیر ہونے کا موقع ملا۔ کہاں اس کا کوئی رجسٹر تھا، یا اس سلسلہ میں کوئی یادداشت تیار کی جاتی تھی۔ جو فہرست مہیا کی جائے۔ سینکڑوں سال کے بعد سیرت نگار حضرات نے ان کی تعداد بھی مختلف بتائی ہے کوئی کہتا ہے کہ ان کی تعداد چار سو تک پہنچی ہے کوئی کہتا ہے ستّر، اسّی تک لیکن یہ سب قیاس کی باتیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وصحابیات کے تذکرہ میں سب سے بڑی کتاب جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ امام ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی کتاب الاصابہ ہے اس میں یقینی وغیر یقینی صحابہ وصحابیات کے جملہ اسمار بارہ ہزار سے کم ہیں اور ان میں سے بھی بہتوں کا کوئی حال معلوم نہیں ہے۔ حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ حجۃ الوداع میں آپؐ کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس کے قریب قریب تھی۔ اس طرح شرکارِ حجۃ الوداع میں سے شاید سات فیصد کے نام بھی ہم تک نہیں پہنچے ہیں، تو یہ کہاں ممکن ہے کہ سارے اصحاب صفّہ کی فہرست ہم تک مہیا ہوسکے۔

الحاکم نے المستدرک جلد ۳، صفحہ ۱۸ میں حسب ذیل اسمار گرامی اصحاب صفّہ کے لکھتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ وہ چند اسمار گرامی ہیں جو امام الحاکم کو مل سکے ہیں۔ یہ کوئی فہرست نہیں ہے۔ بہرحال وہ اسمار گرامی یہ ہیں:-

○ حضرت ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ	○ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
○ حضرت بلال بن رباح " "	○ حضرت عمار بن یاسر " "
○ حضرت مقداد بن عمرو " "	○ حضرت خباب بن ارت " "
○ حضرت صہیب بن سنان " "	○ حضرت زید بن الخطاب " "
○ حضرت کنانہ بن حصین " "	○ حضرت ابو کبشہ (مولیٰ رسولؐ) " "
○ حضرت صفوان بن بیضاء "	○ حضرت ابو عبس بن جبر " "
○ حضرت ابو سالم (مولیٰ ابو حذیفہ رضؓ) "	○ حضرت مسطح بن اثاثہ " "
○ حضرت مسعود بن ربیع " "	○ حضرت عکاشہ بن محصن " "
○ حضرت عمیر بن عوف " "	○ حضرت عویم بن ساعدہ " "
○ حضرت ابو لبابہ " "	○ حضرت کعب بن عمیر " "
○ حضرت خبیب بن سیاف " "	○ حضرت عبد اللہ بن انیس " "
○ حضرت ابو ذر جندب غفاری " "	○ حضرت عتبہ بن مسعود ہذلی "
○ حضرت عبد اللہ بن عمر " "	○ حضرت سلمان الفارسی " "
○ حضرت حذیفہ بن الیمان " "	○ حضرت حجاج بن عمر الاسلمی " "
○ حضرت ابو ہریرہ عبد الرحمن بن صخر الدوسی "	○ حضرت ابو الدرداء عویمر بن عامر " "
○ حضرت عبد اللہ بن زید جہنی	○ حضرت ثوبان (مولیٰ رسولؐ)
○ حضرت معاذ بن الحارث	○ حضرت سائب بن الخلاد
○ حضرت ثابت بن ودیعہ	(کل تعداد فہرست ہذا ۳۵)

اس سے بڑی کوئی فہرست میری نظر سے نہیں گذری۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا جلد ا ص۳۳۹ اور السمہودی نے وفاء الوفا ج ا ص۳۲۹ میں اصحاب الصفہ کے کچھ احوال لکھے ہیں لیکن نہ ابو نعیم قابل وثوق راوی ہے اور نہ السمہودی پر اعتماد ہے۔ ان لوگوں نے بھی اس سے بڑی کوئی فہرست پیش

نہیں کی ہے —— بہرحال اس فہرست پر نظر ڈالنے سے یہ دو باتیں تو واضح ہو جاتی ہیں کہ:

① مقامی بزرگوں میں سے کوئی مدنی صحابی ان میں نہیں ہے

② ان بزرگوں میں اکثر وہ ہیں جن کی اولاد تھی۔ یہ لوگ کسی طرح تارک الدنیا خانقاہی فقرا نہ تھے، یہ مزدوریاں بھی کرتے تھے، جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے اور مال غنیمت بھی حاصل کرتے تھے مثلاً

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے احوال تو تذکروں میں کسی نہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مل ہی جاتے ہیں یہ لوگ صاحب اولاد، صاحب جائیداد اور صاحبِ مال تھے انھیں تارک الدنیا خانقاہی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ لوگوں نے یہ کیوں اور کس بنیاد پر مشہور کر دیا ہے کہ اصحاب الصفہ پھونگیوں اور جوگیوں کی طرح تارک الدنیا لوگ تھے یا یہ لوگ ہمیشہ خیرات و مبرات پر زندگی بسر کرتے رہے بلکہ اس فہرست میں تو ایسے لوگ بھی ہیں، جو خود صاحب نصاب تھے اور پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے تھے اور ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے بڑی بڑی سرکاری ملازمتیں کیں گورنر رہے، افسر مال رہے، فوجوں کے کمانڈر رہے۔ نعوذ باللہ یہ لوگ خیرات خور قلندر تو نظر نہیں آتے۔ ایسی زندگی تو اسلام نے نہیں سکھائی اور نہ ایسے لوگ صحابہ کرام میں ہوتے تھے قرآن مجید تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ جو لوگ تھے ان کی کیفیت یہ بتاتا ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (سورۃ الفتح آیت ۲۹)

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں، تم انھیں دیکھو گے وہ رکوع اور سجدہ بھی کرتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی روزی اور مال و دولت بھی تلاش کرتے ہیں اور اللہ کی رضا بھی چاہتے ہیں، اُن کے چہروں پر سجدوں کے نشان بھی ہیں" —— یہ کہاں ممکن تھا کہ لوگ بھوت بے حرکت، خیرات خور اور رہبان ہوتے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کی یہ صفات بیان فرماتا وہ لوگ سنت رسول ؐ کو بالارادہ اور دوامی طور پر ترک کرتے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا! ۔ تعالیٰ اللہ علواً کبیرا،

مولانا ریاست علی صاحب بجنوری
استاذ دار العلوم دیوبند۔

شعر و شعراء
دربار رسالت میں

علماء نے شعر و شاعری کو موسیقی اور نقاشی کی طرح فنونِ لطیفہ میں شمار کیا ہے اور یہ صحیح بھی ہے اس لئے انسان کے نازک جذبات اور دل کی کائنات سے اس صنف ادب کا جو گہرا تعلق ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔

پھر یہ کہ تمدّن انسانیت کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ادب کی اس صنف لطیف کو کسی طبقہ یا ملک سے خاص نہیں کیا جاسکتا، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ قومیں اپنی فطری خصوصیات یا ماحول کے تقاضوں کے سبب کسی خاص صنف میں دوسری قوموں سے سبقت لیجائیں چنانچہ واقعیت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ عرب نے اس صنفِ ادب میں جو کمال حاصل کیا ہے وہ دوسری قوموں کو میسر نہیں اور اس کی دو وجہیں بالکل سامنے کی ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ عربی زبان اپنی وسعت و آفاقیت، مادۂ اشتقاق کی کثرت، تعبیرات کی فراوانی اور نازک جذبات کی ترجمانی کی حیرت انگیز صلاحیت کے لحاظ سے شاید دنیا کی سب سے ممتاز زبان ہے اس لئے انسان نے جب اپنے جذبات کے اظہار کیلئے اس زبان کا سہارا لیا تو اس کو کسی دشواری کا احساس نہیں ہوا بلکہ بسا اوقات معنیٰ کی لطافت کو الفاظ کی شوکت نے دو آتشہ کردیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شعرگوئی کے اغراض و مقاصد میں جن چیزوں کی بنیادی اہمیت حاصل ہے عرب کے ماحول میں وہ چیزیں پوری طاقت کے ساتھ موجود ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ شعر کے

مقاصد میں پانچ چیزوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، محبت، مدح، فخر، ہجو اور بیان اوصاف عرب کے ماحول سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی بہ آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ پانچوں بنیادی چیزیں عرب کے ماحول میں پوری طرح موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خوبصورت اور مترنم الفاظ کی مضراب نے جب ساز معانی کے تاروں کو چھیڑا تو گلستانِ ادب کی فضائیں طرب انگیز نغموں سے معمور ہو گئیں۔ بلکہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انسانِ طائر فکر معانی کی بلندیوں کو چھو کر جب طاقتور الفاظ کو اپنا نشیمن بنائے گا تو وہاں یقیناً الفاظ و معانی کی نئی نسلیں تیار ہونا شروع ہو جائیں گی۔

عرب میں چونکہ پانچوں بنیادیں بڑی اہمیت کے ساتھ موجود ہیں اور الفاظ و بیان ان کے تمام مضامین کی ترجمانی کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لئے عرب کی شاعری فطری طور پر ان تمام اوصافِ کمال کی امین بن گئی ہے جو کسی بھی اچھے ادب کا سرمایہ ہو سکتے ہیں۔

دربارِ رسالت میں زبانی تحسین

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور انسانیت کے وہ فطری تقاضے جو تخلیق انسان کے بنیادی مقاصد سے متصادم نہ ہوں اسلام میں باقی رکھے گئے ہیں اس لئے جن اشعار میں صداقت و واقعیت ہو اور جن کے ذریعہ کوئی مہمل کام نہ لیا جا رہا ہو ان کو بارگاہِ رسالت سے پسندیدگی کی سند ملی ہے، آپ نے شعراء کی زبان سے ان کا کلام بھی سنا ہے اور موقع بموقع رجزیہ کلمات بھی آپ کی زبان پر جاری ہو گئے ہیں۔

پسندیدگی کی سند کے ثبوت میں حضرت ابی بن کعب کی روایت کا وہ حصہ نقل کیا جا سکتا ہے جو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔

إنّ من الشعر حكمةً۔ بلاشبہ، کچھ اشعار حکمت ریز بھی ہوتے ہیں

اظہارِ پسندیدگی سے متعلق وہ واقعہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے جسے امام مسلم نے حضرت عمرو بن شرید سے نقل کیا ہے۔ حضرت شرید کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی

کی سعادت نصیب ہوئی ۔آپ نے فرمایا، شرید! تمہیں امیۃ بن الصلت کے اشعار بھی یاد ہیں۔ میں نے عرض کیا، جی ہاں یاد ہیں، آپ نے فرمایا سناؤ چنانچہ میں نے ایک شعر سنایا آپ نے فرمایا۔ اور سناؤ میں نے اور سنایا اسی طرح آپ فرمائش کرکے اشعار سنتے رہے حتیٰ کہ میں نے آپکو سو اشعار سنائے الادب المفرد میں امام بخاری نے اس روایت میں یہ اور اضافہ کیا ہے کہ اشعار سننے کے بعد آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

انہ کاد لیسلم ——— یہ شاعر تو اسلام سے بہت قریب تھا۔

اظہار پسندیدگی اور دادِ تحسین کے ثبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جیسے بیہقی نے تفصیل سے نقل کیا ہے اور امام غزالی نے احیاء العلوم جلد سوم میں ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی کہتی ہیں کہ میں ایک دن سوت کات رہی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفش مبارک میں ٹانکے لگا رہے تھے۔ آپ کی پیشانی عرق آلود تھی اور پسینہ کے قطرات روشنی میں کہکشاں کی بہار کا منظر پیش کر رہے تھے۔ میں آپ کے حسنِ خداداد کی بہاروں میں کھوگئی تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ! اتنی حیرت زدہ کیوں ہو رہی ہو۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی پیشانی سے نور کی جو لہر اٹھ رہی ہے اس نے مجھے غرقِ حیرت کر دیا ہے۔ اگر ایسے میں ابو بکر ہذلی اس جمال جہاں افروز کا مشاہدہ کرتا تو وہ سمجھتا کہ اس کے شعر کے مصداق آپ ہی ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کے اشعار کیا ہیں۔ میں نے اشعار پیش کئے۔ ومبرء من کل غبر حیضۃ وفساد مرضعۃ وداء مغیل

واذا نظرت الی اسرۃ وجھہ برقت کبرق العارض المتھلل

میرا ممدوح حیض کی کدورت، دودھ پلانے کے دوران پائی جانے والے فساد مزاج، اور ایام حمل میں ہونے والی بیماریوں سے بالکل پاک وصاف ہے اور اگر تمہیں اسکی پیشانی کے خطوط دیکھنے کا موقع ملے تو ابر گوہر بار کے درمیان چمکنے والی بجلیوں کا منظر یاد آجائے۔

حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنا شغل چھوڑ کر میری پیشانی کو چوما اور فرمایا۔ عائشہ! اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ تجھے میرے حسن سے اتنی خوشی نہیں ہوتی ہے جتنی خوشی مجھے تیری

ذہانت اور برجستہ اشعار پیش کرنے سے ہوئی ہے

اوّل تو اس ذوقِ سلیم اور ادبی دستگاہ پر نظر رکھنی چاہیے جو اس مندرجہ بالا اشعار کی پسندیدگی کے پس منظر میں جھلک رہا ہے، پھر دادِ تحسین کی خوبی ملاحظہ ہو کہ وہ خود مستقل ایک ادبی شہ پارہ ہے۔

اظہارِ پسندیدگی کے ذیل میں اُن مختصر ترانوں کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف ارزانی کے موقع پر انصار کی بچیوں کی جانب سے پڑھے گئے اور آپؐ کی جانب سے اُن کلمات کے دہرانے کو ممنوع نہیں قرار دیا گیا۔ شدید انتظار کے بعد جب انصار مدینہ کی دعوت پر آپ یثرب میں داخل ہوئے اور یثرب کا نام مدینۃ النبی ہو گیا اس وقت جہاں در و دیوار تسبیح و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے وہیں بنی نجّار کی بچیاں دف بجا کر یہ الفاظ دہرا رہی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار یا حبذا محمد من جار

ہم بنی نجّار کی لڑکیاں ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہونے پر استقبالیہ کلمات سے خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں انصار کی دوسری بچیوں کی زبان سے یہ تین اشعار منقول ہیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

پہاڑ کی جن چوٹیوں تک آ کر ہم جانے والوں کو الوداع کہتے ہیں آج اس سمت سے ایک ماہِ کامل ہم پر جلوہ ریز ہوا ہے اور جب تک اس دنیا میں خدا کا نام زندہ ہے اس وقت تک ہمارے اوپر سجدۂ شکر واجب ہے اے وہ ذاتِ گرامی! جسے ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کو سعادت سمجھتے ہیں۔

اظہار پسندیدگی کے ذیل میں اس واقعہ کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جسے ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا۔ اس موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اشعار سنکر پسندیدگی کا اظہار فرمایا آپ فرمائش کرتے وقت دست مبارک سے اشارہ بھی فرماتے تھے۔ تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ان تین اشعار کے بارے میں حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بھائی (ابن رواحہ) نے ان اشعار میں اچھی بات کہی ہے۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ	اذا انشق معروف من الفجر ساطع
ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا	بہ موقنات ان ما قال واقع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ	اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

ہمارے درمیان رسول خدا ہیں جو سپیدۂ صبح کے طلوع کے وقت کتاب خداوندی کی تلاوت فرماتے ہیں انھوں نے ہمیں گمراہی کے بعد راہ دکھائی اس لئے ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہو کر رہے گا۔ وہ رات اس طرح بسر کرتے ہیں کہ پہلوئے مبارک بستر سے الگ رہتا ہے جبکہ مشرکین کے بوجھ سے ان کے بستر بھی پناہ مانگتے ہیں۔

ان چند واقعات سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ جن اشعار میں مضامین سچے ہیں اور ان کا مقصد بھی درست ہے ان کو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے پسندیدگی کی سند عطا ہوئی ہے۔

شعراء کو انعام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں صرف اظہار پسندیدگی ہی نہیں بلکہ اچھے اشعار سے گہرا تأثر لینے کے ساتھ کہیں کہیں شعراء کرام کو انعام سے نوازنے کا بھی تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ حضرت کعب بن زہیر کے قصیدۂ بانت سعاد کے بارے میں مشہور ہے۔ اس کا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ کعب اور ان کے بھائی بجیر بن زہیر دربار نبوی میں حاضری کے

ذہانت اور برجستہ اشعار پیش کرنے سے ہوئی ہے

اوّل تو اس ذوقِ سلیم اور ادبی دستگاہ پر نظر رکھنی چاہیئے جو اس مندرجہ بالا اشعار کی پسندیدگی کے پس منظر میں جھلک رہا ہے، پھر دادِ تحسین کی خوبی ملاحظہ ہو کہ وہ خود مستقل ایک ادبی شہ پارہ ہے۔

اظہارِ پسندیدگی کے ذیل میں اُن مختصر ترانوں کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف ارزانی کے موقع پر انصار کی بچیوں کی جانب سے پڑھے گئے اور آپؐ کی جانب سے اُن کلمات کے دہرانے کو ممنوع نہیں قرار دیا گیا۔ شدید انتظار کے بعد جب انصار مدینہ کی دعوت پر آپ یثرب میں داخل ہوئے اور یثرب کا نام مدینۃ النبی ہو گیا اس وقت جہاں در و دیوار تسبیح و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے وہیں بنی نجّار کی بچیاں دف بجا کر یہ الفاظ دہرا رہی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار یا حبذ امحمد من جار

ہم بنی نجّار کی لڑکیاں ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہونے پر استقبالیہ کلمات سے خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں انصار کی دوسری بچیوں کی زبان سے یہ تین اشعار منقول ہیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

پہاڑ کی جن چوٹیوں تک آکر ہم جانے والوں کو الوداع کہتے ہیں آج اس سمت سے ایک ماہِ کامل ہم پر جلوہ ریز ہوا ہے اور جب تک اس دنیا میں خدا کا نام زندہ ہے اس وقت تک ہمارے اوپر سجدۂ شکر واجب ہے اے وہ ذاتِ گرامی! جسے ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کو سعادت سمجھتے ہیں۔

اظہار پسندیدگی کے ذیل میں اس واقعہ کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جسے ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنسا اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا۔ اس موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اشعار سنکر پسندیدگی کا اظہار فرمایا آپ فرمائش کرتے وقت دست مبارک سے اشارہ بھی فرماتے تھے۔ تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ان تین اشعار کے بارے میں حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بھائی (ابن رواحہ) نے ان اشعار میں اچھی بات کہی ہے۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ — اذا انشق معروف من الفجر ساطع
ارانا الھدی بعد العمی قلوبنا — بہ موقنات ان ما قال واقع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ — اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

ہمارے درمیان رسول خدا ہیں جو سپیدۂ صبح کے طلوع کے وقت کتاب خداوندی کی تلاوت فرماتے ہیں انھوں نے ہمیں گمراہی کے بعد راہ دکھائی اس لئے ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہوکر رہے گا۔ وہ رات اس طرح بسر کرتے ہیں کہ پہلوئے مبارک بستر سے الگ رہتا ہے جبکہ مشرکین کے بوجھ سے ان کے بستر بھی پناہ مانگتے ہیں۔

ان چند واقعات سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ جن اشعار میں مضامین سچے ہیں اور ان کا مقصد بھی درست ہے ان کو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے پسندیدگی کی سند عطا ہوئی ہے۔

شعراء کو انعام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں صرف اظہار پسندیدگی ہی نہیں بلکہ اچھے اشعار سے گہرا تاثر لینے کے ساتھ کہیں کہیں شعراء کرام کو انعام سے نوازنے کا بھی تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ حضرت کعب بن زہیر کے قصیدۂ بانت سعاد کے بارے میں مشہور ہے۔ اس کا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ کعب اور ان کے بھائی بجیر بن زہیر دربار نبوی میں حاضری کے

ارادہ سے روانہ ہوتے راستہ میں کعب کے رجحان میں تبدیلی پیدا ہوئی اور انھوں نے بجیر سے کہا کہ تم آگے جاکر ان پیغمبرؐ سے ملو اور مجھے اپنی رائے مطلع کرو تاکہ میں بصیرت کے ساتھ کوئی فیصلہ کرسکوں، بجیر گئے اور جاتے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ کعب کو جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو انھیں ناگوار گذرا اور انھوں نے ایک قصیدہ کہہ ڈالا جس میں اپنے بھائی کے طرزِ عمل کی شکایت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجو کا ارتکاب تھا۔ اشعار میں کسی چیز کا ذکر چونکہ نثر سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اس زمانہ میں اشعار چونکہ زبان زد ہو جاتے تھے اسلئے ان اشعار کو عام انسانوں کیلئے دینِ حق قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ سمجھا گیا اور ہجو پر مشتمل ان اشعار کے جرم میں کعب کے خون کو مباح قرار دیا گیا۔ کعب کو جب یہ اطلاع پہنچی تو وہ گھبرا گئے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا پھر لوگوں کی نظر سے بچ کر مسجد نبوی میں حاضر ہوگئے اور اپنا قصیدہ مدحیہ پیش کیا۔ یہی قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے اور اس کی تشبیب اور دیگر مضامین جاہلیت کے روایتی انداز پر ہیں۔ پہلا شعر ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول   متیم اثرھا لم یفد مکبول ،

سعاد مجھ سے جدا ہوگئی اور آج میرا دل اس کی محبت میں بیمار اور اس کے پیچھے ایسا پابہ زنجیر ہے کہ زر فدیہ بھی اس کی رہائی کیلئے منظور نہیں ہے۔ تشبیب کے تیرہ اشعار کے بعد پھر دورِ جاہلیت کے روایتی انداز کے مطابق اونٹنی کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ پھر انتالیسویں شعر سے ۵۰ ویں شعر تک معذرت کا مضمون ہے۔ جن میں یہ اشعار بھی ہیں۔

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی ،   والعفو عند رسول اللہ ماْمول

مھلا ھداك الذی اعطاك نافلۃ   القرآن فیہ مواعیظ وتفصیل

لا تاخذنی باقوال الوشاۃ فلم   اذنب وقد کثرت فی الاقاویل

مجھے یہ تبلایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دھمکی دی ہے حالانکہ عفو کی درخواست

کا قبول ہو جانا بارگاہ نبوت میں عین متوقع ہے۔ آپ ازراہِ کرم نرمی اختیار فرمائیں آپ کو وہ ذاتِ پاک صراطِ مستقیم پر رکھے جس نے آپ کو اس قرآن کریم کا عطیہ مرحمت فرمایا جس میں نصیحتیں اور احکام کی تفصیل ہے۔ مجھے آپ چغلخوروں کے کہنے پر موردِ عتاب نہ گردانیں میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، میرے بارے میں بہت سی باتیں یونہی منسوب ہیں۔

اس کے بعد اکیاونواں شعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہے۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ   وصارم من سیوف الہند مسلول

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نور تمام ہیں جن سے کائنات منور ہے اور وہ باطل کے حق میں ہندوستان کی شمشیرِ بے نیام ہیں۔

شاعر نے جب اپنا یہ قصیدہ سنایا تو باوجودیکہ یہ ادب جاہلی کی مکمل نمائندگی کر رہا تھا اس میں سعاد کے تذکرہ سے تشبیب بھی تھی اونٹنی کے اوصاف بھی تھے۔ اس میں گریز بھی تھا اور اپنا مقصد یعنی اظہارِ ندامت اور درخواست عفو بھی تھی، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعر کی سابقہ خطاؤں سے درگذر فرمایا اور اکیاونویں شعر پر آپ نے ایک چادر بھی انعام کے طور پر مرحمت فرمادی۔ اسی چادر کے عطیہ کے سبب یہ قصیدہ، قصیدہ بردہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور یہی وہ مبارک چادر ہے جس کو حضرت معاویہؓ نے بیس[۲] یا تیس[۳] ہزار درہم میں خرید فرمایا تھا۔

حضرت کعب بن زہیرؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ مقدس سے اچھے اشعار کے صلہ میں انعام مرحمت ہوا ہے اور اگر شعراء کرام کو ان کی قابلِ قدر اور صحیح ادبی خدمت پر انعامات سے بھی نوازا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

اسی ذیل میں حضرت عباس بن مرداس کا وہ واقعہ بھی آتا ہے جس میں اگرچہ اشعار پر انعام تو نہیں دیا گیا لیکن منظوم شکایت کو حسنِ قبول سے نواز کر شکایت کا ازالہ کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ مسلم شریف میں مجمل اور احیاء العلوم میں تفصیل مذکور ہے واقعہ یہ ہے کہ جب غزوۂ

حنین کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے درمیان تقسیم کیا گیا تو حضرت عباس بن مرداس ادیبہ مشہور شاعرہ خنساء کے صاحبزادے ہیں انکو چار اونٹ دیئے گئے۔ حضرت عباس اونٹ لیکر چلے گئے اور ایک قصیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے استحقاق کی زیادتی کی شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا ان کی شکایت رفع کرو چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ انھوں نے سو اونٹ اپنے لئے پسند کئے اور بہت خوش ہوئے۔

اس واقعہ سے اہل ادب کی قدر دانی اور اہل نظر کی جانب سے ان کی ہمت افزائی کا سبق بھی ملتا ہے۔

(باقی)

(بقیہ صفحہ ۴۰ کا)

(۱۴) مولانا حکیم محمد حسن دیوبندی

مولانا حکیم محمد حسن بن ذوالفقار علی دیوبندی حضرت شیخ الہند رح کے برادر خورد تھے شروع سے آخر تک جملہ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کر کے حضرت مولانا یعقوب صاحب کے زمانۂ صدارت ۱۲۹۵ھ میں فراغت پائی۔ دینیات کی تحصیل کے بعد دہلی جاکر حکیم عبدالمجید خانصاحب سے طب و حکمت کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت گنگوہی رح سے بیعت کا بھی شرف حاصل تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں بحیثیت مدرس عربی و طبیب آپ کا دارالعلوم میں تقرر ہوا۔ اور طب کی تعلیم کے ساتھ تفسیر و حدیث وغیرہ کی اعلیٰ کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔ دارالعلوم میں ۴۳ سال تک علمی و طبی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو سفر آخرت فرمایا۔

حبیب الرحمٰن قاسمی

قسط نمبر ۲

قافلۂ فضل و کمال

یعنی تلامذہ حضرت عارف باللہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرس دار العلوم دیوبند

(۶) مولانا احمد ہزاروی

حضرت مولانا احمد بن مولانا عبد اللہ بن شاہ ولی کالنجر تحصیل ہری پور ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے تاریخ پیدائش کا علم باوجود تلاش و جستجو کے نہ ہو سکا۔ درس نظامی کی اکثر کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کیلئے دیوبند حاضر ہوئے اور یہاں داخلہ لیکر ۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی و دیگر اساتذۂ دار العلوم سے دورۂ حدیث پڑھکر سند فراغت حاصل کی۔ مسجد چھتہ میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی صاحب سے بھی قدرے استفادہ کیا۔ ۱۷ر شوال ۱۲۹۸ھ کو حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ کے ساتھ آپ کی دستار بندی ہوئی

اساتذۂ دار العلوم کے علاوہ مولانا احمد صاحب نے حضرت مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی سے بھی کسب فیض کیا تعلیم و تحصیل سے فراغت کے بعد تدریسی شغلہ شروع کیا اولاً دار العلوم دیوبند میں تقریباً چھ سال درس دیا، اس کے بعد وطن مالوف کی جانب مراجعت کی اور سکندر پور ضلع ہزارہ میں احمد المدارس کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور تا مدت العمر اپنے لگائے اسی چمنستانِ علم کی آبیاری کرتے رہے ہزارہ کے اکثر قدیم علماء آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔

۱۷ر صفر المظفر ۱۳۳۱ھ یوم یکشنبہ کو آپ کا وصال ہوا۔ اولاد میں ایک فرزند مولانا

عبدالسلام صاحب اور تین صاحبزادیاں چھوڑیں[۱]

(۷) مولانا محمد مراد فاروقی مظفر نگری

حضرت مولانا محمد مراد فاروقی ؒ ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۵ء میں پاک پٹن کے ایک قریبی گاؤں امب میں پیدا ہوئے سلسلۂ نسب اٹھارہویں پشت میں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر ؒ سے مل جاتا ہے۔ عمر کے ابھی صرف چار سال گذرے تھے کہ والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے، ماموں نے یتیم بھانجے کو ان کی والدہ کیساتھ اپنے گھر لے جاکر اپنی نگرانی اور کفالت میں رکھا سن شعور کو پہنچے تو ایک دن تعلیم کی جانب سے بے توجہی پر ماموں کی سرزنش سے دلگیر ہوکر چپکے سے لاہور چلے آئے اور وہیں اُردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر یہاں سے دہلی پہنچے اور حافظ غلام رسول ویراں سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعدازاں علی گڈھ جاکر حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے۔ پھر رام پور جاکر مولانا ارشاد حسین مجددی ؒ سے بھی بعض کتابوں کی تحصیل کی۔ آخر میں دارالعلوم آئے اور یہاں پانچ سال رہکر علوم مروجہ کی تکمیل کرکے ۱۲۸۹ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مولانا محمد مراد صاحب اپنی خداداد ذہانت وصلاحیت کی بنا پر اپنے معاصرین میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی ؒ سے بیعت وخلافت سے بھی مشرف تھے ۱۲۹۴ھ میں جب جامع مسجد حوض والی مظفر نگر میں مدرسہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے صدر مدرس منتخب ہوئے۔ اور اپنی پوری زندگی مدرسہ کی ترقی اور سربلندی کے لئے وقف کردی اور تقریباً ۴۰ سال تک مسلسل اسی مدرسہ میں درس وتدریس اور طلبہ کی تعلیم وتربیت میں گذار کر ۳ رجب ۱۳۳۲ھ کو عین جمعہ کی اذان کے وقت راہی ملک بقا ہوئے[۲]

(۸) مولانا سید محمد عرفان ٹونکی

مولانا سید محمد عرفان بن یوسف بن یعقوب بن ابراہیم حسنی بریلوی ثم ٹونکی امام المجاہدین

---

[۱] مشاہیر علماء دیوبند ص ۲۳ ج ۲ ونزہتہ الخواطر ص ۳۸ ج ۸، [۲] تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۸۶ ج ۲

سید احمد شہید بریلویؒ کے نواسے تھے ۱۲۶۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ابتدائی کتابیں اپنے دیار کے علماء مولانا عبد الغفور شیخ عبد المالک، شیخ عبد المالک، اور قاضی امام الدین وغیرہ سے پڑھیں۔ پھر دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر اکتساب فیض کیا حدیث کی تحصیل مولانا مفتی عبد القیوم بن عبد الحئی بڑھانوی سے کی — مولانا عامل بالحدیث تھے۔ لایعنی باتوں سے کلیتہً احتراز کرتے تھے۔ تلاوتِ قرآن حکیم سے خاص شغف تھا ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی[۱]

(۹) مولانا منصور علی خاں مراد آبادی

حضرت مولانا منصور علی بن مولانا حسن علی بن مولوی عبد اللہ بن امان اللہ خاں مراد آبادی ہندوستان کے مشہور علماء میں سے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے زمانہ صدارت ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم سے فراغت حاصل کی۔ دار العلوم دیوبند کے علاوہ ایک عرصہ تک حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ کے ساتھ سفر و حضر میں رہکر اکتساب فیض کرتے رہے۔ مولانا کا شمار حضرت نانوتویؒ کے مخصوص تلامذہ میں ہوتا ہے۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔

تعلیم و تحصیل سے فراغت کے بعد جامعہ طبیّہ حیدر آباد میں تدریس کی خدمت پر مامور ہوئے اور ایک مدت تک نہایت حسن و خوبی سے اس خدمت کو انجام دیا۔ آخر میں مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور وہیں ۱۳۳۷ھ میں وفات پائی۔ قلمی آثار میں مذہب منصور ۲ جلدیں، فتح المبین اور معیار الادویہ آپ کی یادگار ہیں[۲]

(۱۰) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن بن مولانا ذو الفقار علی دیوبندی قدس سرہما کی ولادت ۱۲۶۸ھ/۱۸۱۵ء میں بریلی میں ہوئی۔ یہاں آپ کے والد ماجد سرکاری محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔

---

[۱] مشاہیر دیوبند ص ۴۰ ج ۲ ۔ [۲] تاریخ دار العلوم ص ۱۹۰ ج ۲ و مشاہیر دیوبند ص ۳ ج ۱

چھ برس کی عمر سے تعلیم وتحصیل کی ابتداء ہوئی۔ میاں جی منگلوری، اور میاں جی عبداللطیف سے قرآن پاک اور فارسی کی کتابیں پڑھکر اپنے چچا اور دیوبند کے مشہور معلم مولانا مہتاب علیؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو جب دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو دارالعلوم میں داخل ہوگئے اور تین سال دارالعلوم میں رہ کر ملا محمود اور مولانا یعقوب نانوتوی سے فقہ، اصول فقہ، ادب، بلاغت، منطق، فلسفہ وغیرہ پڑھکر ۱۲۸۶ھ میں صحاح ستہ اور بعض دیگر کتابیں حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ سے شروع کیں اور سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہکر دو سال میں تعلیم کو مکمل کیا۔

زمانۂ تعلیم ہی سے حضرت شیخ الہندؒ کا شمار حضرت نانوتوی کے ممتاز تلامذہ میں ہونے لگا تھا چنانچہ ان کی اعلیٰ علمی وفکری صلاحیتوں کے پیش نظر ۱۲۹۱ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے دارالعلوم میں آپ کا تقرر ہوگیا اور بتدریج ترقی کرکے ۱۳۰۵ھ میں شیخ الحدیث وصدارت تدریس کے منصب پر فائز ہوئے اور مسلسل ۱۳۳۳ھ تک حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی تدریس و ترویج کی مبارک خدمت انجام دی اس مدت میں ۸۶۰ طلبہ نے آپ سے حدیث کی تحصیل کرکے سند اجازت حاصل کی۔

حضرت شیخ الہند کو تدریس سے انتہائی شغف تھا صحت وسہولت سے بے نیاز ہوکر نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ درس و افادہ میں مصروف رہتے تھے اور حلقہ درس کیا ہوتا تھا سلف صالحین و اکابر محدثین کا نمونہ ہوتا تھا۔

چونکہ ہوش سنبھالتے ہی آپ اس تحریک سے وابستہ ہوگئے تھے جس کی ضرورت کا احساس ۱۸۵۷ء کی جنگ شاملی کے بعد اکابر دیوبند کے قلوب میں منجانب اللہ پیدا ہوچکا تھا اور جس کا مظہر اتم دارالعلوم دیوبند کی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوا تھا۔ اسلئے انھیں تعلیم و تدریس کی مصروفیات کے ساتھ تحریک احیاء ملت کی قیادت کے فرائض بھی انجام دینے پڑتے تھے جس کے لئے کبھی آپ نے ثمرۃ التربیت قائم کی اور کبھی اپنے شاگرد رشید مولانا عبیداللہ سندھی کے ذریعہ جمعیۃ الانصار کی داغ بیل ڈالی۔

اور کبھی تحریک ریشمی رومال) کے ذریعہ سامراجی طاقتوں کی صف میں ہلچل مچادی۔ یہ سرگرمیاں اس قدر وقت طلب نہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ اطمینان و یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف کیطرف متوجہ نہ ہوسکے پھر بھی سیکڑوں تلامذہ اور یادگار زمانہ ملی و سیاسی خدمات کے علاوہ تقریباً ایک درجن تالیفات بھی اپنی یادگار چھوڑیں جو یہ ہیں۔

(۱) ادلۂ کاملہ (۲) ایضاح الادلہ (۳) احسن القریٰ (۴) الجہد المقل (۵) افاداتِ محمودیہ (۶) الابواب والتراجم (۷) کلیات شیخ الہند (۸) حاشیہ مختصر المعانی (۹) تصحیح ابی داؤد شریف (۱۰) ترجمہ قرآن پاک و حواشی۔ (۱۱) تقریر ترمذی (۱۲) فتاویٰ[۱]

(۱۱) مولانا ناظر حسن دیوبندی

مولانا ناظر حسن بن امیر بخش بن ظہور عالم دیوبندی اپنے عہد کے مشہور علماء میں سے تھے۔ آپ کی ولادت اور نشو و نما دیوبند میں ہوئی دار العلوم کے اساتذہ مولانا محمد یعقوب وغیرہ سے پڑھکر ۱۲۹۶ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ دار العلوم کے علاوہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے بھی کسب فیض کیا۔ تعلیم و تحصیل سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ایک مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں آپ کا تقرر ہوا اور چند سال وہاں پڑھانے کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے پرنسپل مقرر ہوئے ڈھاکہ ہی میں ۱۳۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ تصانیف میں الفرقان فی قرأۃ ام القرآن اور کشف الغطاء عن مسئلۃ الربوٰ، آپ کی علمی یادگار ہیں[۲]

(۱۲) مولانا عبد الحق پورقاضوی۔

پورقاضی مظفر نگر کے شمال میں شرفاء کی ایک قدیم بستی ہے وہیں تقریباً ۱۲۵۸ھ میں مولانا کی ولادت ہوئی ۱۲۸۳ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور تین سال یہاں زیر تعلیم رہکر ۱۲۸۶ھ میں فراغت حاصل کی ۱۲۹۰ھ میں دار العلوم کے سب سے پہلے جلسۂ دستار بندی میں حضرت شیخ الہند وغیرہ

---

[۱] حضرت شیخ الہند کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے حیات شیخ الہند، شیخ الہند حیات و کارنامے، اسیرانِ مالٹا، علماء حق وغیرہ۔ [۲] نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۹۱۔

ممتاز فضلاء کے ساتھ آپ کی دستار بندی ہوئی۔ فراغت تعلیم کے بعد ریاست رتلام میں اکاؤنٹینٹ جنرل مقرر ہوئے اور تادم واپسیں اسی عہدے پر فائز رہے۔ مولانا والئی ریاست کی نظر میں ہمیشہ معتمد اور قابل ستائش رہے، علماء سلف کا نمونہ تھے۔ آپ کی چھوٹی صاحبزادی کی شادی مولانا عبد اللطیف صاحب سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور سے ہوئی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ کو مولانا نے جو قیمتی نصیحتیں لکھ کر دی تھیں انھیں بعد میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے "بہترین جہیز" کے نام سے اپنی مشہور تالیف "بہشتی زیور" میں شائع فرمادیا۔ ۸ صفر ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء کو رتلام میں وفات پائی۔[۱]

(۱۳) مولانا عبداللہ انبیٹھوی

مولانا عبداللہ صاحب انبیٹھہ ضلع سہارنپور کے باشندہ تھے تاریخ پیدائش معلوم نہ ہوسکی ۱۲۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور اپنے وقت کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ وغیرہ سے پڑھکر ۱۲۸۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد ایک مدت تک سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہکر روحانی فیوض و برکات حاصل کئے اور خلافت پائی۔

قصبہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں جب منشی مہربان علی مرحوم نے مدرسہ منبع العلوم قائم کیا تو اس کے صدر مدرس منتخب ہوئے پھر ۱۳۱۱ھ میں سرسید مرحوم نے انھیں ایم، اے، او کالج (مسلم یونیورسٹی) میں کام کرنے کی دعوت دی جہاں وہ آخر عمر تک ناظم دینیات کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ مولانا کا صحیح سن وفات معلوم نہیں، البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ ۱۳۴۴ھ سے پہلے آپ کی وفات ہوچکی تھی۔ حضرت مولانا عبدالحئی حسنی نے نزہتہ الخواطر میں جو سن وفات تحریر فرمایا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اپنے آبائی قبرستان انبیٹھ میں آسودۂ خواب ہیں حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی کی بڑی صاحبزادی اکرام النساء انھیں سے منسوب تھیں[۲] (بقیہ)

[۱] تاریخ دارالعلوم ۱۸۵ ج ۲ — [۲] تاریخ دارالعلوم ۱۸۵/۸۶ ج ۲

اجلاس کل ہند مؤتمر ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند، منعقدہ ۳۰ اپریل ۱۹۸ء میں منظور شدہ پروگرام اور بعض تجاویز

پروگرام :- فضلاء دار العلوم میں ربط۔

۱۔ ہر سطح پر (علاقہ، قصبہ، ضلع اور ریاست) —— ابنائے قدیم دار العلوم کی فہرست تیار کرنا، اور ہر سطح پر دینی مدارس و مکاتب کی فہرست مرتب کرنا۔

۲۔ مقامی سطح پر ماہانہ اجتماعات کرنا اور ان میں دینی و علمی گفتگو کے ساتھ فضلاء کی کاوشات کو سننا اور ان پر تبصرہ کرنا۔ ضلع کی سطح پر سہ ماہی فضلاء کا اجتماع اور اس میں پروگرام کی روشنی میں کاموں کا جائزہ لینا۔ اور ریاستی و مرکزی اجتماع و کانفرنس کرانا،

۳۔ فضلاء دار العلوم کے لئے ایک فلاحی فنڈ قائم کرنا۔ اور اس سے معذور ضرورت مند فضلاء کی مدد کرنا نیز ہونہار اور غیر معمولی صلاحیت کے ضرورتمند طلباء کو دینی تعلیم میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کیلئے امداد دینا۔

۴۔ آزادی کی تحریک میں فضلاء و ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کی خدمات اور قربانیوں کی تاریخ مرتب کرنا۔

تحفظ مسلکِ دار العلوم و اشاعت دین

۱۔ مدارسِ عربیہ کے معیار کی بلندی اور ترقی کے لئے ہر ممکن تعاون دینا۔

۲۔ دینی رہنمائی کی ذمہ داری محسوس کرنا اور اس کے لئے لگاتار جد و جہد کرنا مسلمان بچوں

خاص کر لڑکیوں کی دینی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینا۔

۳۔ دورِ حاضر کے مسائل پر مجالسِ مذاکرہ (سمینار) منعقد کرنا۔

۴۔ جن کے لئے باصلاحیت مدرس، قراء اور مساجد جن کے لئے لائق امام مہیا کرنا، اور ان کی تعلیم و تربیت اور خصوصی مہارت کیلئے مواقع مہیا کرنا۔

۵۔ علماء کرام اور مدارس کے لئے خدمات بیورو کے قیام کی کوشش کرنا جہاں ملازمت کے خواہشمند فضلاء دارالعلوم کے نام درج کئے جائیں اور مدارس کو ان کی ضرورت کے مطابق فضلاء کے ناموں کی سفارش کی جائے۔

۶۔ فضلاء دارالعلوم کی تصانیف کی فہرست تیار کرنا اور اس کی اشاعت کا انتظام کرنا نیز فضلاء کی تصانیف کا وقتاً فوقتاً نمائش کا انتظام کرنا۔

دارالعلوم میں مردم ساز فضا واپس لائی جائے۔

کل ہند مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم کا یہ اجلاس مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کو مادرِ علمی کی خصوصیات، تربیتی انفرادیت اور انتظامی و حسن کردار کی ان روایتی عظمتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہے، جن سے دارالعلوم کا دامن آہستہ آہستہ خالی ہوتا جا رہا ہے۔ اور جن سے محروم ہوجانا ہمارے لئے اس صدی کا سب سے بڑا سانحہ ہوگا۔

اس لئے ہم ابنائے قدیم مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند سے مؤدبانہ گذارش کرتے ہیں کہ دارالعلوم کے دینی انحطاط کا سدِ باب کرے اور اس کی مردم ساز فضاء کو واپس لانے کی جدوجہد کرے اور اس کی انتظامیہ میں دیانت و امانت کا معیار قائم رکھنے کا بندوبست فرمائے اور دارالعلوم کی دینی تحریک کو زندہ تحریک بنانے کے انتظام کرنے پر صدق دلی سے عمل کرے جو اس کی سربلندی اور امتِ مسلمہ کی ترقیات کے لئے ضروری ہے۔

ہم مجلسِ شوریٰ کو یقین دلاتے ہیں کہ ان اہم امور کے بروئے کار لانے میں اربابِ کل ہند مؤتمر ہر تعاون کے لئے تیار ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے

اور دارالعلوم کو اندرونی و بیرونی شر و فتن سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

دارالعلوم کی سند کو ایم، اے کے مساوی تسلیم کیا جائے۔

دارالعلوم ایشیاء کا عظیم الشان اسلامی تعلیمی ادارہ ہے جس کے فضلاء ملک اور بیرونِ ملک اعلیٰ تعلیم یافتہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم کا کل ہند اجلاس اس پر دکھ اور تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں اور یونیورسٹیوں نے ابھی تک دنیا کی اس عظیم درسگاہ کی سند کو ایم، اے کی ڈگری کے مساوی تسلیم نہیں کیا ہے۔

یہ اجلاس ریاستی حکومتوں، اور حکومتِ ہند اور یونیورسٹیوں سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ کہ وہ دارالعلوم کی فاضل کی سند کو ایم، اے کی ڈگری کے برابر اور پوسٹ گریجویٹ تسلیم کرے اور ان کو وہ تمام حقوق دئے جائیں جو یونیورسٹیوں کے پوسٹ گریجویٹ طلباء کو ملتے ہیں۔ یہ اجلاس دارالعلوم سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں فوری اقدامات کرے اور ضابطہ کی تمام کارروائیوں کی جلد از جلد تکمیل کرے۔

درسِ عبرت

قرطبہ سے ۵-۶ میل کے فاصلہ پر دامنِ سراموینا میں مرحوم مدینۃ الزہرا کا ڈھیر لگا ہوا ہے یعنی وہ لاجواب و لاثانی محل جو ۳۲۵ھ میں شروع ہوکر ۲۵ سال کی مسلسل محنت و کاوش اور ۴۵ کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہوا تھا (تاج محل آگرہ کی لاگت ۳ کروڑ روپے ہے) جسکی فراہمی سامان پر ہر روز ۱۴۰۰ خچر ۴۰۰ اونٹ اور ۱۰ ہزار مزدور مامور تھے جسکے محکمۂ تعمیرات پر تین لاکھ دینار سُرخ سالانہ خرچ ہوتے تھے ——— افسوس وہ عروس الایوان با آں ہمہ آرائش و زیبائش نصف صدی سے زیادہ مدت تک آباد نہ رہ سکا ۳۵۰ھ میں خلیفہ الناصر کا انتقال ہوا اور ۳۹۹ھ میں مدینۃ الزہرا کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور یہ مرکز عالم آج اس قعرِ گمنامی میں پڑا ہے کہ اس پر فاتحہ کے لئے کوئی ہاتھ اٹھانے والا بھی نہیں ہے۔

تعارف وتبصرہ

نام کتاب :- عصمتِ انبیاء عقل ونقل کے آئینے میں"

صفحات :- ۱۶۰ ، قیمت ۶/- روپے - ملنے کا پتہ - جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب وارانسی

مصنف ـــــ مولانا سید طاہر حسین گیاوی مدرس جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس

اس رسالہ کا پس منظر مصنف کے الفاظ میں درج ذیل ہے - فرماتے ہیں کہ زیر نظر کتاب کی ترتیب سے بہت پہلے سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے متعلق میرے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ وہ اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے بعض عقائد اہلسنت والجماعت کے طریقے سے ہٹ گئے ہیں اور یہ بات بھی سنا کرتا تھا کہ جو لوگ ان کے نظریات سے متفق ہیں خصوصاً جماعت اسلامی کے بارے میں بھی یہ بات سننے میں آچکی تھی کہ وہ اپنی تمام تر فکری اور عملی سرگرمیوں میں مودودی صاحب کے افکار و خیالات کی پابند ہے اسلئے یہ جماعت کتاب و سنت کی متوارث شاہراہ سے الگ ہو چکی - لیکن ان سب کے باوجود کوئی ایسا بنیادی اختلاف جو کتاب و سنت کی روشنی میں کھلی گمراہی اور زیغ و ضلال سے تعبیر کیا جاسکے میں اپنے طور پر محسوس نہیں کر پا سکتا تھا جسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے متعلق اپنا ذاتی مطالعہ کوئی خاص نہ تھا - لیکن بعض رسائل اور مضامین کے ذریعہ یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ مودودی صاحب کے افکار و خیالات اچھے نہیں ہیں تاہم بدگمانی اس درجہ کی نہ تھی کہ جیسے ان کے مخالفین کی تائید کہا جاسکے مگر خدا بھلا کرے مجلس دعوت وتحقیق سرائمیر ضلع اعظم گڈھ کا جس نے دینی عقائد کے ایک اہم مسئلہ پر ایک کتابچہ شائع کیا اتفاق سے وہ کتابچہ میری نگاہ سے بھی گذرا اس کے اندر عصمت انبیاء کے متعلق دو متقابل تحریروں کا جائزہ لیکر صحیح رائے کی نشاندہی کی گئی تھی -

پھر اس رسالہ کے جواب میں کچھ کتابچے بھی شائع ہوئے اس طرح کتابی سوال وجواب کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا جس کی وجہ سے مجھے بھی یہ خواہش ہوئی کہ مسئلہ کی اصل حقیقت معلوم کرنی چاہئے چنانچہ میں بھی اس کی تحقیق میں لگ گیا، کافی محنت اور تحقیق وجستجو کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اس کو

تفصیل کے ساتھ زیر نظر کتاب کے ذریعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں تاکہ دینی عقائد کے معاملے
میں مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے افکار و خیالات کی کمزوریاں میری طرح دوسرے بھائیوں کے سامنے آجائیں
اور پھر انھیں بھی ان کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کا موقع مل سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کی عصمت کے
مسئلہ میں گمراہی کی ابتداء مودودی صاحب نے خود نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے یہ نظریہ دوسری جگہ سے اخذ فرمایا ہے"
میں نے کتاب عصمتِ انبیاء عقل و نقل کے آئینے میں بغور پڑھا اللہ جزائے خیر دے مولانا طاہر صاحب
کو کہ انھوں نے محنت و دیانت سے تحقیق کا حق ادا کیا ہے اور جناب مودودی صاحب مرحوم کو جہاں سے
ٹھوکر لگی ہے اسکی صحیح نشاندہی بھی کر دی ہے۔ قرآن کریم انبیاء اولوالعزم کے ذکر کے تحت جگہ جگہ مختلف
اسالیب اور اپنے مخصوص انداز میں کہیں لفظ مخلص کی اصطلاح کہیں "اللہ اعلم حیث یجعل
رسالتہ" کہیں "فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا" اور کہیں "يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا"
وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرکے انبیاء وغیر انبیاء میں مابہ الامتیاز فرق کی نشاندہی کرتا ہے اور
منعم علیہم جماعتوں کی معیاریت پر زور دیتا ہوا قرآن حکیم اعلان کرتا ہے کہ لوگو! انبیاء علیہم السلام
ایسی نوع کے لوگ ہیں جن کو اپنے علم کے یقینی اور قطعی ہونے کا دعوی ہے۔ پیغمبر اپنی اعلی صداقت
پاکیزہ سیرت اور مشاہدۂ غیبی کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے جو ماوراء فہم انسانی ہے یہی وہ راز
ہے کہ وحی کی روشنی اور پیغمبروں کے نور بصیرت کے بغیر جب ہم اپنی زندگی کی مکمل توجیہہ نہیں کر سکتے
تو پھر مابعد الطبیعیاتی مسائل وغیرہ پر لب کشائی کیونکر کر سکتے ہیں اور عصمت انبیاء جو لوازم ذات
اور خصائص نبوی میں سے ہے اس کو اپنا موضوع بنانا اور فن صحافیت کے بل بوتے پر اسلاف
سے کٹ کر اپنی الگ راہ نکالنا یہ کون سا دین اور مذہب ہے۔ خوب غور فرمالیا جائے کہ اجتہاد
و تحقیق کا دروازہ کبھی بند نہیں رہا مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ جس کے ہاتھ میں قلم آگیا اور چند الٹے
سیدھے جملوں کے لکھنے پر قدرت ہوگئی اور خیر سے وہ کسی اخبار و رسائل کا ایڈیٹر بھی بن بیٹھا۔
وہ قرآن کی نام نہاد تفہیم اور تشریح کرنے کا مجاز بھی ہو گیا۔ معاذ اللہ۔ انھیں معلوم ہونا چاہئے
کہ قرآن مجید کو اپنی اہواء و آراء کے تحت جس نے استعمال کیا اور بغیر کسی ماہر قرآن سے باقاعدہ
پڑھے اور برسہا برس استفادہ کئے بغیر لب کشائی کی اس کے انجام پر قرآن مجید نے یضل بہ
کثیرا کہکر تنبیہ کر دی ہے۔

الحاصل:- قرآن فہمی کا صحیح حق قرآن مجید کی آیات پر کامل تدبر اور نظم قرآن کی روشنی
ارشادات نبوی صلعم اور صحابہ کے اقوال اور قرآنی نظائر ہی اساس تفسیر اور قرآن فہمی کا

سرچشمہ ہیں۔ قرآن فہمی کیلئے یہ بھی ضروری اور بنیادی چیز ہے کہ آدمی صالح اور پاکباز ہو، خوف وخشیت الٰہی اس کی پوری زندگی سے نمایاں ہو۔ تب جاکر اس کو حق پہونچتا ہے کہ وہ اپنی زبان وقلم کو حرکت دے۔ حکیم سنائی رحمہ اللہ مندرجہ ذیل اشعار میں زمزمہ سنج حقیقت ہیں۔

؎ ۔ عروس حضرت قرآں نقاب آنگہ براندازد   کہ دار الملک ایماں را مجرد بینی از غوغا

اپنے مخصوص انداز میں کلام فرماتے ہوئے حکیم سنائی بڑی ہی وزنی بات فرما گئے ہیں گویا مودودی صاحب کی تفسیر پر مکمل تبصرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ؎

عجب نبود گر از قرآں نصیب ماست جز حرفے

کہ از خورشید جز گرمی نہ بیند چشم نابینا

سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے افکار وخیالات جو انکی تحریروں کے اندر بکھرے ہوئے ہیں وہ ایک مستقل فتنہ ہیں اور غیر معمولی مبالغہ آمیزیوں اور غیر ذمہ دارانہ تحریروں سے حقائق اسدرجہ مشتبہ ہوگئے ہیں کہ حقیقت کی سراغ رسانی کالج کے صاحبزادوں اور نام نہاد مولویوں کیلئے عنقا بن گئی ہے۔ مودودی کی طول طویل انشاء پردازی اور صحافیت کے پردہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو ہدف بنانے اور اپنے ترکش کے سارے تیروں کو بے دریغ خرچ کرنیکا تماشہ دیکھنا ہے تو سرآمد موحدین حضرت ابراھیم علیہ السلام کا مکالمہ سورہ انعام کی تفسیر تفہیم القرآن میں ملاحظہ فرمایا جائے۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی کے مقابل میں جب ہم قرآن مجید کے اندر "لا احب الآفلین" دیکھتے ہیں تو ہم بآسانی اس نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں کہ جو تاثیر پذیر ہے وہ کسی کا محکوم ہے وہ اس قابل کب ہے کہ خدا مانا جائے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ استدلال اپنے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اپنے ہم شرک قوموں کیلئے تھا۔ اسی طرح یہ جملہ "لم یھدنی ربی" ارشاد فرمایا کیا انبیاء علیہم السلام کا یہی مقام رفیع ہے کہ اپنے کسی کمال کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے بلکہ اسے تمام تر عطیہ الٰہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ جملہ "مما تشرکون"، یعنی جو شرک تم کیا کرتے ہو۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جس شرک میں تم لوگ میری قوم والو مبتلا ہو میں اس سے بری اور بیزار ہوں پورے مکالمہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کوئی ایسی بات نہیں فرماتے جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ پہلے نعوذ باللہ، مشرک تھے یا ایمان باللہ کی دولت سے محروم تھے۔ مودودی صاحب کو آیت "ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان" اپنی من مانی تفسیر کیلئے سہارا بن گئی کہ قرآن میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے، حالانکہ بات

صرف اسقدر ہے کہ یہاں اس عام حقیقت کا اظہار ہے کہ بلا فیضان حق کامل ترین استعداد رکھنے
والا بھی بیکار ہے۔ پس آپکی یہ لاعلمی ان کمالات کی قادح نہیں جو بعد نبوت آپ کو حاصل ہوئے
اللہ تعالیٰ کو جس طرح ہبہ کمالات پر قدرت ہے سلب کمالات پر بھی ہے۔

مودودی صاحب کا یہ عقیدہ کہ انبیاء علیہم السلام توحید کی حقیقت تک وحی کی آمد سے پہلے پہونچ جاتے
تھے اور ان کا یہ علم توحید کا حاصل کرنا عقلی واستدلالی ہوتا تھا - خود ان کے کسب کا نتیجہ تھا، وہبی نہیں
تھا - بدترین گمراہی اور زندقہ نہیں تو اور کیا ہے - مودودی صاحب کا قلم حد درجہ بیباک اور گستاخ
وہاں ہو جاتا ہے جہاں انبیاء علیہم کی عصمت اور صحابۂ کرام کی حجیت و معیاریت پر سرزہ سرائی پر اُتر
آتا ہے اور اپنی نام نہاد جماعت کا اصول موضوعہ یہ قرار دیدیا جاتا ہے کہ عصمت انبیاء کے لوازم ذات
سے نہیں ہے وغیر ذالک من الخرافات - حالانکہ عصمت لوازم ذات اور خصایص نبوت میں سے ہے۔ مولانا
طاہر صاحب نے اسرار شریعت کے امام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی تحقیق دربارۂ عصمت
لوازم ذات انبیاء و خصائص نبوت پر سیر حاصل بحث فرما کر صاف صاف لکھ جاتے ہیں - "لہٰذا
عصمت صفت ادمی باشد و ایں امور لازم اعظم نبوت است" اسی لئے عصمت اس شخص کی صفت
ہو جاتی ہے یہ چیزیں نبوت کے عظیم لوازم میں سے ہیں - اگر عصمت وصف نبوت کا لازمہ ہوتی تو شاہ صاحب
لہٰذا عصمت صفت نبوت می باشد تحریر فرماتے اور صفت ادمی باشد ہرگز نہ لکھتے۔

ع "ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا"

خلاصہ یہ کہ یہ چند سطریں بے ساختہ زبان قلم پر آگئیں ورنہ ان کی ساری تحریریں لغویات
سے بھری ہوئی ہیں - بالخصوص تفہیم القرآن تو حد درجہ گمراہ کن کتاب ہے کسی کو میرے یہ جملے
اگر بار خاطر ہوں وہ سورۂ توبہ میں تبوک کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی
واسم گرامی کے بجائے لفظ لیڈر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی صفحہ میں متعدد بار ذکر کرکے
اپنے نامۂ اعمال پر تیشہ چلا دیا ہے - ایسے ہی لوگوں کے بارے میں مولانا روم رحمہ فرما گئے ہیں اور حق
یہ ہے کہ بڑی وزنی بات کہہ گئے ہیں ؎

فلسفی کو منکر حنانہ است
واز حواس انبیاء بیگانہ است

کتاب عصمت انبیاء زبان و بیان کی بعض معمولی خامیوں کے باوجود مجموعی اعتبار سے مفید تصنیف ہے
اور اس قابل ہے کہ پڑھا لکھا طبقہ اسے اپنے پاس رکھے ـــــ

دارالعلوم دیوبند

یہ نظم حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے زمانہ تدریس میں ختم بخاری کے جلسے متاثر ہوکر کہی گئی ہے ـــــ دارالحدیث طلبہ، اساتذہ اور باہر سے آئے ہوئے زائرین سے کچھا کھچ بھرا ہوا تھا انتہاں وتضرع کا یہ عالم تھا کہ پورا مجمع دلفگار واشکبار تھا۔ چونکہ ایک شاعر عام انسانوں سے زیادہ حسّاس اور اثر پذیر ہوتا ہے - اسلئے مولانا کفیل صاحب اس منظر سے بیحد متأثر ہوئے اور اور تقریبًا دو گھنٹہ تک ان پر محویت طاری رہی اس حالت سے افاقہ کے بعد مولانا نے اپنے انکیس تأثرات کو منظوم فرمادیا جو ہدیۂ قارئین ہے -

مرحبا جادۂ حق اُسوۂ پاکاں اینجا است ‖ سیرتِ فخرِ رسل صورتِ خوباں اینجا است

روضۂ قدس تجلّی گہِ جاناں اینجا است ‖ جنت عالیہ فردوسِ درخشاں اینجا است

نزہتِ علم وعمل نکہتِ ایماں اینجا است ‖ صدرِ بوبکرؓ ودلِ بوذرؓ وسلماںؓ اینجا است

تو چہ صدر رنج کشتی وائے بیک جلوۂ طور ‖ نورِ فاراں وتجلّی گہِ عرفاں اینجا است

دیدۂ دل بکشا بہر تماشائے شہود ‖ شاہدِ معنیٰ بصد ناز خراماں اینجا است

نکتہ رس باش بلک راز حقیقت دریاب ‖ شیخِ اسلام حسینِ احمدِ ذیشاں اینجا است

ہادیِ اہل ہدیٰ مرشدِ ارباب سلوک ‖ قطبِ ارشاد زماں قیّم دوراں اینجا است

جُود واد راہ نماید زعدم سوئے وجود ‖ محواز پرتو اُو سایۂ امکاں اینجا است

موجۂ حسن بود از کرمش بحر جمال ‖ ہر گل از بوئے دل آویز گلستاں اینجا است

دیگراں دُرد مئی تلخ بنوشند کفیل ،
خضر اینجا است ترا چشمۂ حیواں اینجا است ،

ز ـ ناب

THE "AL-QASIM (MONTHLY)
DEOBAND (U.P.)

عالمی مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کا دینی و علمی ترجمان

مرتب

حبیب الرحمٰن قاسمی

عالمی مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کا
ترجمان

ماہنامہ القاسم دیوبند

شمارہ ۶ | ماہ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۱ء | جلد ۱

فہرست مضامین

اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری اس شمارہ سے ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کیلئے زرتعاون ۲۰/ روپے بھیج کر ممنون فرمائیں یا وی، پی کے لئے ہمیں لکھیں۔ (مینجر)

محمد حسیب صدیقی پرنٹر پبلشر نے محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند سے طبع کرا کر دفتر ماہنامہ "القاسم" دیوبند سے شائع کیا۔

مرتب
حبیب الرحمٰن قاسمی

مجلس ادارت
مولانا سید ارشد مدنی
مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری
مولانا ریاست علی بجنوری
مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

زرِ اشتراک
سالانہ ۲۰/-
ششماہی ۱۲/-
فی پرچہ ۲/-
ممالک غیر سے اس کے مساوی علاوہ محصول ڈاک

ترسیلِ زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ القاسم دیوبند
دیو، پی، ۲۴۷۵۵۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

نمائندہ اجتماع

دارالعلوم میں فتنہ کا نیا باب

ادھر ڈیڑھ دو سال سے دارالعلوم دیوبند میں اختلاف و انتشار کا جو سلسلہ جاری ہے ۴ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کو اس وقت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا جبکہ دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے دہلی میں اپنے طلب کردہ "نمائندہ اجتماع" میں دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ (جس کے تحت دارالعلوم کا سارا نظام چلتا ہے) کے مقابلے میں ایک جدید مجلس (ایڈہاک کمیٹی) کا اعلان کیا جو بجائے مجلسِ شوریٰ دارالعلوم کے جملہ امور کی نگراں ہوگی۔ اس کمیٹی کو اس بات کا بھی حق دیا گیا ہے کہ دارالعلوم کے قدیم دستور کو منسوخ کردے جس کی وضع و ترتیب میں اکابر اور صلحاءِ امت کا دماغ کارفرما ہے۔ اور جس پر معمولی سے حذف و اضافہ کے ساتھ دارالعلوم کے ابتدائے قیام سے آجتک عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس اجتماع میں یہی فیصلہ کیا گیا ہے کہ مہتمم دارالعلوم مولانا قاری محمد طیب صاحب بلاشرکتِ غیرے دارالعلوم کے مختارِ کل ہوں گے۔ ان کی رائے اور فیصلہ کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔

سوال یہ ہے کہ جب دارالعلوم میں اس کے دستور کے مطابق ایک ادارہ "مجلسِ شوریٰ" کے نام پر موجود ہے جو قانونی اور آئینی اعتبار سے جملہ مسائل پر... فیصلوں کا مجاز ہے اسے نظر انداز کرکے مہتمم صاحب نے یہ اجتماع کیوں طلب کیا؟ — کیا انھیں اپنے منصب پر رہتے ہوئے دارالعلوم کے نام پر اس طرح کے غیر سنجیدہ و غیر آئینی اجتماعات کرنے کا حق ہے؟ اور کیا اس اجتماع کے فیصلے قانونی، اخلاقی اور شرعی اعتبار سے لائق اعتناء اور قابلِ لحاظ ہیں؟

آیئے حالات و واقعات کی روشنی میں ان سوالات کا حل تلاش کریں

دارالعلوم کے دفترِ اہتمام کی غیر منصفانہ و جانبدارانہ پالیسیوں کی بناء پر اساتذہ و طلباء میں جو بے چینی و اضطراب پیدا ہوگیا تھا دارالعلوم کے قریبی حلقوں بالخصوص اس کے ابناءِ قدیم کا اس سے متاثر ہونا ایک فطری و طبعی امر تھا جسے کسی طرح بھی معیوب اور غیر مستحسن نہیں کہا جاسکتا۔ مگر بدقسمتی سے اہلِ اہتمام کو یہ چیز انتہائی ناگوار گزری اور انھوں نے دارالعلوم کے ابناءِ قدیم اور اسکے بہی خواہوں کے مقابلہ میں رکیک پروپیگنڈوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کردیا جس پر آج سے

چند ماہ قبل تک ایک لاکھ چھہتر ہزار پانچسو ساٹھ روپئے، چوبیس پیسے (۲۴-۱۷۶۵۶۰) دارالعلوم کی مدمات سے خرچ کیے جا چکے ہیں۔ (تفصیلات کے لیے مجلس شوریٰ کے فیصلے۔ مرتبہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مددگار مہتمم دیکھئے)

ان سارے ہنگاموں اور پروپیگنڈوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ کسی طرح مہتمم صاحب کو مجلس شوریٰ کی ماتحتی اور بالادستی سے نکال کر خود مختار بنا دیا جائے تاکہ وہ بقلم خود اپنے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کو اپنا نشین وقائم مقام بنا سکیں۔ جس کی تکمیل دارالعلوم کے دستور اور مجلس شوریٰ کی موجودگی میں ممکن نہیں تھی۔ بالآخر اس کے لئے یہ راستہ نکالا گیا کہ نمائندہ اجتماع کے نام سے اپنے مخصوص لوگوں کا ایک جلسہ طلب کیا گیا جسمیں دارالعلوم کے فضلاء اور مستقل چندہ دہندگان کے بجائے سیاسی اور دارالعلوم سے غیر متعلق افراد کو خصوصی طور پر نمائندگی دی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمد و رفت کی جملہ سہولیات منجانب اجتماع فراہم ہونے کے باوجود مندوبین کی تعداد ڈھائی سو سے اوپر نہ جا سکی اور اس میں بھی اکثریت دارالعلوم کے ملازمین اور متوقع ملازمین کی تھی جنھیں رونق محفل کے لیے لے جایا گیا تھا۔

جلسہ میں شریک بعض سابق وزراء کو خواہش کے باوجود اسٹیج پر آنے کا موقع نہیں دیا گیا اور نہ تجاویز کے سلسلے میں ان کی رائے معلوم کی گئی۔ غرضیکہ نہایت حزم و احتیاط اور ڈرامائی انداز سے چند تجویزیں جو دیوبند سے تیار کر کے لائی گئی تھیں حاضرین اجلاس کے شور و ہنگامہ کے باوجود پڑھکر سنادی گئیں اسطرح سے بزعم خویش مہتمم صاحب کو دارالعلوم کا مختار کل بنا دیا گیا تاکہ وہ اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کر سکیں - یہ تھی وہ غرض جس کے تحت مہتمم صاحب کو اس اجتماع کے بلانے کی ضرورت پیش آئی۔

جہاں تک دوسرے اور تیسرے سوال کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جب مہتمم صاحب خود برضا و رغبت ۳۰ ر ۳۱ ر و یکم جون ۱۹۸۱ء کے جلسۂ شوریٰ میں اپنے آپ کو دارالعلوم کے امور کی مسئولیت سے الگ کر چکے ہیں تو ان کے لئے دارالعلوم کے معاملات میں کسی اقدام کا حق ہی کہاں رہ جاتا ہے۔ اور پھر ایسا اہم اقدام جس کا اثر دارالعلوم کے دستور اساسی اور اس کی ہیئتِ حاکمہ پر پڑ رہا ہو کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اور بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ مسئولیت سے سبکدوشی کے باوجود اپنے عہدہ اور منصب پر قائم ہیں جب بھی اس طرح کے اجتماعات بلانے کا حق دستوری اعتبار سے انھیں قطعاً نہیں ہے اس کی مجاز تو صرف اور صرف مجلس شوریٰ ہی ہے کیا کسی ادارہ کے باتنخواہ مہتمم، سکریٹری کو حق پہنچ سکتا ہے کہ وہ ادارہ کا باتنخواہ عہدیدار رہتے ہوئے اس کے دستور یا اسکی باضابطہ انتظامیہ کے خلاف محاذ آرائی کرے؟ ان وجوہ سے یہ اجتماع آئین وقانون کی رو سے سراسر غلط اور ناجائز ہے۔

رہا شرعی مسئلہ تو دارالعلوم ایک وقف ہے اور اس کے مہتمم کی حیثیت خواہ وہ کوئی بھی ہو ناظرِ وقف کی ہے اس کو بذاتِ خود کسی آئین و اصول کی تبدیلی کا کوئی حق نہیں اور نہ اس کی مجلسِ شوریٰ کے خلاف کوئی اجتماع یا جلسہ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ یہ مجلس شرعی اعتبار سے اسکے بانی کی قائمقام اور جانشین ہے۔ اس لئے مجلس کے خلاف محاذ آرائی بانیٔ ادارہ کے خلاف سمجھی جائیگی جس کا حق ناظرِ وقف کو بالکل نہیں ہے۔ چنانچہ مجلسِ شوریٰ نے اس غیر آئینی اجتماع کے منعقد ہونے سے پہلے ہی اپنے ایک بیان کے ذریعہ اس کی قانونی و شرعی حیثیت کو واضح کر دیا تھا ہم قارئین کی مزید معلومات کے لیے بیان کے اہم اور ضروری اجزاء کو نقل کر رہے ہیں۔

جب ہم نے یہ بات سُنی کہ دارالعلوم کے ہمدردوں کا کوئی نمائندہ اجتماع دہلی میں ۱۴ راکتوبر کو مہتمم صاحب دارالعلوم کی طرف سے بلایا جا رہا ہے تو پہلے ہمیں اس پر یقین نہیں آیا کیونکہ ایسے کسی اجتماع کا ذکر دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کے کسی گذشتہ اجلاس میں نہیں آیا تھا اور دارالعلوم کے دستور و آئین کی رُو سے جس کے تحت دارالعلوم کا سارا نظام چلتا ہے، مجلسِ شوریٰ ہی وہ واحد ادارہ ہے جو دارالعلوم کے مسائل پر فیصلوں کا مجاز ہے۔ دارالعلوم ایک وقف ہے اور اس کے دستور کی رو سے اور قانونی حیثیت سے مجلسِ شوریٰ اس کی متولی اور چندہ دہندگان کی وکیل شرعی ہے اسکی تجویز اور فیصلے کے بغیر دارالعلوم کا کوئی عہدیدار دارالعلوم کے بارے میں کچھ طے کرنے کے لیے کسی اجتماع کے بلانے کا مجاز نہیں ہے — ہم ارکانِ مجلسِ شوریٰ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس بیان کے ذریعہ اس اجتماع کے داعیوں دارالعلوم کے مخلصوں اور تمام مسلمانوں کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اجتماع اگر دارالعلوم کے بارے میں کچھ طے کرنے کے لیے بلایا گیا ہے (جیسا کہ اطلاعات ہیں) تو قطعاً غیر آئینی ہے اس کا انعقاد کسی لحاظ سے بھی درست اور جائز نہیں ہے۔ دارالعلوم کا دستور اور اسکی روایات کی رو سے اسکے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا حق صرف اس کی مجلسِ شوریٰ کو ہے اس کے علاوہ کسی اجتماع کا دارالعلوم کے نظام کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا کسی ملک یا کسی ریاست کے نظامِ حکومت کے بارے میں پارلیمنٹ یا اسمبلیوں کے بجائے کوئی کانفرنس یا کوئی اجتماع فیصلہ کرنے لگے — نمائندہ اجتماع کے انعقاد کے بعد پروفیسر مولانا سعید احمد اکبر آبادی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے جنھیں اس اجتماع میں نامزد ایڈہاک کمیٹی کا ایک ممبر بنایا گیا تھا ۷ راکتوبر کو ایک بیان جاری کیا جسمیں وہ لکھتے ہیں — یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء کو جب میں سفر سے واپس آیا تو یہ معلوم کر کے اور بھی افسوس ہوا کہ حضرت مہتمم صاحب نے

مجلس شوریٰ کے ساتھ اپنے اختلافات کے تعارف کی غرض سے ۴ر اکتوبر کو دہلی میں وابستگانِ دار العلوم کا نمائندہ اجتماع بلایا ہے علی گڈھ پہنچنے کے بعد مجھ کو اس اجتماع میں شرکت کا دعوت نامہ اور اس کے بعد ایک ٹیلی گرام بھی ملا لیکن میں نے اس اجتماع میں شرکت نہیں کی کیونکہ میرے نزدیک حضرت مہتمم صاحب کا یہ اقدام نہ صرف یہ کہ نامناسب تھا بلکہ اس سے دار العلوم کو شدید اور ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کے قوی امکانات تھے۔

حضرت مہتمم صاحب کے اعلان اور ان کی دعوت کے مطابق ۴ر اکتوبر کو دہلی میں اجلاس منعقد ہوا۔ اب اخبارات میں اس کی کارروائی اور اس میں جو تجاویز منظور ہوئی ہیں ان کو پڑھکر یہ خطرات اور قوی ہو گئے ہیں اور دار العلوم دیوبند ایسے حالات اور حوادث سے دوچار ہو گیا ہے کہ اگر فوری طور پر خاطر خواہ تدارک نہیں کیا گیا تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ملّتِ اسلامیہ برصغیر کی ایک عظیم دینی درسگاہ کا انجام کیا ہوگا۔

یہ ظاہر ہے کہ دار العلوم دیوبند کے معاملات کے متعلق رائے دینے کا حق حسب ذیل تین طبقات کو ہی ہو سکتا ہے۔ (۱) فضلاء دار العلوم (۲) مستقل چندہ دہندگان دار العلوم (۳) مشاہیر اکابر امت، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان طبقات کی تعداد دوسرے ممالک سے قطع نظر ہندوستان میں بے شمار دیے تعداد ہے اس لئے دہلی میں ۴ر اکتوبر کو جو اجتماع ہوا ہے اس کو ہرگز ایسا نمائندہ اجتماع نہیں کہا جا سکتا جس کے فیصلوں کو رائے عامہ کی نگاہ میں درجۂ اعتماد و اعتبار حاصل ہو۔

ان امور کے علاوہ دار العلوم کے معاملات کے تصفیے اصول و روایات کو پس پشت ڈال کر اگر سڑکوں اور گلی کوچوں میں ہونے لگے تو یقین مانئے دار العلوم پھر دار العلوم نہیں بچے گا بلکہ بازیچۂ اقتدار کی ایک فیلڈ اور جولانگاہ بن جائیگا اور ہر طالع آزما اقتدار طلب جب چاہے گا اپنے ہواخواہوں کا ایک جلسہ نمائندہ اجتماع کے نام پر بلا کر ایک نیا نظام اور ایک جدید دستور بنا لیگا۔ اور اس مطلق العنانی اور خود بینی کا جو نتیجہ نکلے گا وہ ظاہر ہے اس لئے میرے نزدیک اس اجتماع کے داعیوں نے دار العلوم کو ایسی منزل پر لاکھڑا کر دیا ہے۔ جہاں سے انتشار و اختلاف اور باہمی کش مکش کا ایک سلسلہ شروع ہو جائیگا جس کی تمام تر ذمہ داری اس اجتماع کرنے والوں پر ہوگی۔ لیکن کیا فضلاء دار العلوم اپنی مادرِ علمی کی تباہی و بربادی کا یہ منظر یونہی ایک تماشائی کی طرح دیکھتے رہیں گے اور کیا مجلس شوریٰ جو ملّتِ اسلامیہ کی جانب سے اس عظیم دینی امانت کی محافظ و امین ہے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہی رہے گی؟

حبیب الرحمٰن القاسمی

حبیب الرحمٰن قاسمی

ہندوستان میں علم اور علماء

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صدیوں پہلے ہی سے عرب اور ہندوستان کے درمیان تجارتی تعلقات قائم تھے جس کا سلسلہ ظہور اسلام کے بعد بھی جاری رہا مسلمان عربوں نے سندھ اور ملیبار سے لیکر گجرات تک ساحلی علاقوں میں اپنی نوآبادیاں بنالی تھیں جن کے ذریعہ اسلام اور اسلامی علوم وثقافت کی شعاعیں سرزمین ہند میں پھیلنا شروع ہوگئی تھیں (۱)

عہد فاروقی میں حضرت حکم رضؓ بن ابی العاص کی قیادت میں اس وقت کی مشہور ہندوستانی بندرگاہ "تھانہ" پر مجاہدین ومبلغینِ اسلام کا پہلا قافلہ اترا۔ اس کے بعد تو ساحلِ ہند کا علاقہ مجاہدین ومبلغین کی مستقل چھاؤنی بن گیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ اسلامی قافلے آتے رہے جن میں دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہستیاں بھی شامل رہیں جن کا خاص مشن ہی یہ تھا کہ جس ملک میں پہنچے قال اللہ وقال الرسول کی صدائے جاں بخش وروح نواز سے اس میں تازہ زندگی پیدا کردی۔ اس طرح سرزمین ہند آغاز اسلام ہی سے اسلامی علوم سے یک گونہ آشنا ہوچکی تھی۔

خلافتِ راشدہ کے بعد زمام خلافت جب اموی خلفاء کے ہاتھوں میں آئی تو انھوں نے بھی اس دور افتادہ علاقے پر نگاہ رکھی چنانچہ ۹۳ھ (بزمانہ ولید بن عبدالملک) میں محمد بن قاسم ثقفی کو اس خطہ کا حاکم بناکر بھیجا گیا انھوں نے اپنی اولوالعزمیوں سے پورے سندھ پر اسلام کا پرچم لہرادیا۔ اس وقت

---

(۱) بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ عرب تاجروں کو تبلیغ واشاعت کے کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور نہ وہ ہندوستان کی تمدنی زندگی پر اثر انداز ہوسکے۔ اور بعض حضرات تو یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ ان تاجروں کے ذریعہ ایک ہندی بھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوا ـــــ یہ خیال تحقیق کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اکثر مؤرخین سندھ ملیبار، اور گجرات وغیرہ کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ " انتشر الاسلام فی ھٰذہ المناطق علی ایدی التجار المسلمین کہ ان علاقوں میں مسلمان تاجروں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے "عرب و ہند عہد رسالت میں" قاضی اطہر مبارکپوری

سے یہ علاقہ باقاعدہ اسلامی قلم رومیں شامل ہوگیا اور ۲۵۰ھ تک براہ راست پایۂ تخت بغداد و دمشق سے اس کا تعلق قائم رہا[1]۔

ظاہر ہے کہ اس طویل مدت میں تاریخ کے مسلم اصول کے مطابق فاتح قوم کا اثر و نفوذ مفتوح اقوام کے ہر شعبۂ زندگی میں ہوا ہوگا۔ علاوہ ازیں اس مستحکم ارتباط کی بنا پر دونوں ملکوں میں باہم آبادیوں کا تبادلہ بڑے پیمانہ پر ہونا یقینی ہے اس طرح ہندی مسلمانوں کو بلا واسطہ حضرات صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور عرب معلمین سے اسلامی علوم و فنون اور مذہبی تہذیب و تمدن کو اخذ و جذب کی سعادت حاصل ہوئی یہی وجہ ہے کہ تراجم و رجال کی کتابوں میں حجازی، شامی اور عراقی علماء کے دوش بدوش ہندی الاصل علماء و محدثین بھی نظر آتے ہیں جن میں وہ مبارک ہستیاں بھی ہیں جنھوں نے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبتیں اٹھائیں اور ان سے اخذ فیض کیا مثلاً (۱) شیخ عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانی (بیلمان سوراسٹر کی جانب نسبت ہے) جنھوں نے حضرت عثمان غنی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، امیر معاویہ، عمرو بن اوس، عمرو بن عنبسہ، نافع بن جبیر، عبدالرحمٰن بن الاعرج رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ شیخ عبدالرحمٰن سے حضرت عمر بن عنبسہ کے قبولِ اسلام کی روایت سنن نسائی اور طواف وداع سے متعلق حدیث جامع ترمذی میں موجود ہے[2] (۲) عبدالرحمٰن سندھی ان کے بارے میں امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے،

كان النبي صلى الله عليه وسلم يأكل ولا يتوضاء من اللحم[3]،	نبی علیہ السلام کھانا کھاتے اور گوشت کھاکر نیا وضو نہیں فرماتے تھے۔

(۳) امام ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی متوفی ۱۷۰ھ جنھوں نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی ان کے صاحبزادے شیخ محمد بن ابو معشر کا بیان ہے۔

كان الي سندياً اخرم خياطاً	میرے والد سندھی تھے ان کے کان چھدے ہوئے تھے اور سلائی کا پیشہ کرتے تھے۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتوح البلدان للعلامہ بلاذری والعقد الثمین فی فتوح الہند مصنفہ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، [2] العقد الثمین ص ۲۸۷، [3] تاریخ کبیر ج ۳ ص ۲۹۵،

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی نے حضرت ابوامامہ سہل بن حنیف کو دیکھا ہے اور محمد بن کعب قرظی، نافع مولیٰ ابن عمر، سعید مقبری وغیرہ سے سماع کیا ہے

وکان اعلم الناس بالمغازی　　اور وہ مغازی کے سب سے بڑے امام تھے

انھوں نے مغازی میں ایک کتاب بھی مرتب کی تھی[1] - (۴) حارث بیلمانی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اکتساب علم کیا تھا وغیرہ وہ ہندی الاصل علماء ہیں جنھوں نے براہِ راست حضرات صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں اور افاضہ فیض کیا ہے[2]

تیسری صدی کے وسط میں اگرچہ سندھ میں عربوں کی بالادستی ختم ہوگئی پھر بھی وہاں کے دو شہروں منصورہ اور دیبل (بھکر اور ٹھٹھہ) میں علی الترتیب ۴۱۶ھ و ۷۵۲ھ تک اسلامی ریاستیں قائم رہیں اس طرح یہ سرزمین پہلی صدی ہجری کے آخر ہی سے اسلام اور اسلامی علوم کے حافظ و محافظ کا گہوارہ بنی رہی۔ اس دور کے مشاہیر علماء محدثین میں خلف بن سالم سندھی ۲۳۱ھ محمد بن ابوالبشر نجیح سندھی م ۲۴۴ھ عبد بن حمید کسی و عبدالحمید م ۲۸۲ھ (کچھ کی جانب نسبت ہے) وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں جنھوں نے تیسری صدی ہجری میں اپنی علمی سرگرمیوں سے اس خطۂ ارض کو دارالعلوم بنائے رکھا آخرالذکر بزرگ نے صحیح مسلم کی احادیث کی تخریج بھی کی تھی اور محمد بن ابراہیم دیبلی م ۳۲۲ھ احمد بن عبداللہ دیبلی م ۳۴۳ھ ابوالفوارس احمد بن محمد سندھی م ۳۴۹ھ، محمد بن محمد دیبلی م ۳۵۴ھ ابوالعباس احمد بن محمد منصوری م ۳۷۳ھ وغیرہ چوتھی صدی کے ان رجال علم میں سے ہیں جن سے خود حجاز، عراق اور دمشق و شام کے علماء نے درس لیا ہے۔

اس دور اوّل میں سندھ، دیبل اور ملتان اسلامی علوم و تہذیب کے مرکز رہے۔

عہد غزنویہ کے علماء ساحلی علاقوں سے اسلامی غلبہ کے ختم ہو جانے کے بعد اسلام نے اپنے اثر و نفوذ کے لئے ایک نئی راہ ڈھونڈھ نکالی۔ اور بحری راستہ کے بجائے اس مرتبہ درۂ خیبر کو اپنے داخلہ کے لئے منتخب کیا چنانچہ پانچویں صدی کی ابتداء میں سلطان محمود غزنوی نے لاہور کو اپنے زیر نگیں کر کے اسلامی ہند کے ایک نئے دور کا آغاز کر دیا۔ درحقیقت وسیع اور منظم پیمانہ پر اسلام

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۲، [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے العقد الثمین و خلافت امویہ اور ہندوستان مصنفہ قاضی اطہر مبارکپوری،

اوراسلامی علوم کاداخلہ اسی وقت سے ہوا کیونکہ دوراوّل میں اسلام کی کرنیں ساحلی علاقوں سے آگے نہ بڑھ سکیں تھیں لیکن اس مرتبہ اس نے رفتہ رفتہ پورے ہندوستان کو اپنی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بنا دیا۔

جس وقت پنجاب پر غزنی حکومت کا تسلط ہوا اس وقت تمام اسلامی علوم مثلاً تفسیر حدیث فقہ، کلام، تصوف وغیرہ مکمل طور پر مدوّن ہو چکے تھے اور غزنی جو محمود کے عہد میں اسلامی عجم کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ ان سب علوم کا گہوارہ بن گیا تھا اس لئے پنجاب جو سلطنت غزنی کا ایک ٹکڑا ہو چکا تھا ناممکن ہے کہ دارالحکومت کے ماحول واثرات سے متأثر نہ ہو۔

اس عہد میں پنجاب کے جس شہر کو علمی وتمدنی مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا وہ لاہور ہے۔ چنانچہ فتوحات غزنویہ کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ علماء مشائخ کے قافلے جوق درجوق لاہور کی جانب کھنچے چلے آرہے ہیں۔ اس عہد کے علماء ومحدثین میں شیخ اسماعیل لاہوری م ۴۴۸ھ سے اہل ہند کو بطور خاص فیض پہنچا یہ حدیث وتفسیر کے متبحر عالم ہونے کے ساتھ مؤثر البیان واعظ و مذکر بھی تھے بے شمار افراد ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے[۱]

اس عہد کے لاہوری علماء میں شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری م ۴۲۹ھ بھی ہیں جن کا چشمۂ علم سمرقند میں تشنگان علوم نبوی کو سیراب کر رہا تھا[۲]۔ نیز شیخ علی بن عثمان ہجویری، المعروف بہ داتا گنج بخش متوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء جنھوں نے لاہور میں علم وعرفان کی شمع کو اس قوت کے ساتھ روشن کیا کہ آج تک اس کے انوار محسوس ہوتے ہیں۔ شیخ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں لیکن اب صرف کشف المحجوب دستیاب ہوتی ہے۔ جس کے متعلق داراشکوہ لکھتا ہے۔

ہیچ کس را براں سخن نیست و مرشدے است	کسی کو بھی اس کتاب پر اعتراض نہیں یہ ایک
کامل درکتب تصوف بخوبی آں درزبان فارسی	مرشدِ کامل ہے فارسی زبان میں فن تصوف
کتابے تصنیف نہ شدہ[۳]	پر ایسی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی

ان نابغۂ عصر کے علاوہ شیخ ابوالحسن علی بن لاہوری بھی اس دور کی یادگار ہیں۔ جن کا تذکرہ

---

[۱] تذکرہ علماء ہند ص ۲۳ و مقالات سلیمان ج ۲ ص ۴ [۲] رجال السند والہند ص ۱۷۰

[۳] سفینۃ الاولیاء ۱۶۴ —

ـنے ہوئے مولانا عبدالحیٔ حسنی لکھتے ہیں - العالم المحدث کان شیخاً ادیباً شاعراً کثیر
حفظ - ان کا فیض بغداد تک عام تھا - امام سمعانیؒ نے لکھا ہے کہ میں خود اُن سے نہ مل سکا مگر
فظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطہ سے ان کا شاگرد ہوں - ۵۲۹ھ میں لاہور میں
ت ہوئے[51] - لاہور ہی کے ایک اور عالم و محدث محمد بن محمد ہیں جنھیں حدیث کے ساتھ فقہ اور فن مناظرہ
ں بھی مہارت حاصل تھی - امام ابوالمظفر سمعانی ابوالفتح عبدالرزاق المنیعی، ابوبکر بن خلف تبریزی
اسحاق ابراہیم بن عمر اصبہانی وغیرہ سے انھیں شرف تلمذ حاصل تھا - اور امام ابوسعید عبدالکریم
معانی صاحب انساب الاشراف جیسے علامۃ العصر کے استاذ تھے ۵۴۰ھ کے قریب وفات
ئی[52] - انساب الاشراف کے مطالعہ سے اس دور کے مزید ہندی علماء کا پتہ چلتا ہے مگر بخوف تطویل
ہیں کسی دوسرے موقع کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے -

اب تک کے یہ سارے علماء وہ ہیں جن کے علمی فیوض و برکات سے ہندوستان کم اور
یگر بلادِ اسلامیہ زیادہ مستفیض ہوئے بالآخر ساتویں صدی ہجری میں امام صغانی صاحب مشارق الانوار
ندوستان کے لئے باعث فخر و مباہات بنکر جلوہ افروز ہوئے امام موصوف کا اسم گرامی حسن بن
مد ہے ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی پھر یمن، حجاز، عراق
غیرہ جاکر وہاں کے علماء کبار سے علم کی تحصیل و تکمیل کی اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے - حدیث
ں مشارق الانوار کے علاوہ مصباح الدجیٰ فی حدیث مصطفیٰ، الشمس المنیرہ، شرح بخاری اور دو رسالے
ضوعاتِ حدیث میں آپ کی علمی یادگار ہیں - فنِ حدیث کے علاوہ لغت اور ادب میں علامہ صغانی کی
رح ذیل تصانیف ہیں -

۱) العباب الزاخر ۲۰ جلدوں میں (۲) مجمع البحرین ۱۲ جلدوں میں (۳) الشوارد (۴) کتاب اسماء
لاسد (۵) کتاب اسماء الذئب (۶) کتاب الافعال (۷) کتاب المفعول (۸) کتاب الاصغار (۹) کتاب
عروض (۱۰) شرح ابیات المفصل (۱۱) بغیۃ الصیدان (۱۲) و شرح القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریدیۃ
غیرہ امام موصوف نے ۶۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی

---

[51] نزہۃ الخواطر ص ۸۹ ج ۱ - [52] رجال السند والہند ص ۲۳۵ - [53] الجواہر المضیہ ج ۱ ص ۲۰۱،
ائد البہیۃ ص ۵۳، نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۰۵ -

لیکن لاہور کی یہ تمام تر علمی رونق دہلی کے دارالسلطنت ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ منتقل ہوکر دہلی سمٹ آئی اور حکومتوں میں متعدد انقلابات کے باوجود اس کے علم و دانش کی محفلیں عرصۂ دراز تک نہ صرف سجی رہیں بلکہ ان کی دلکشی میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی

سلطنت دہلی کی بنیاد ایسے زمانہ میں رکھی گئی تھی جبکہ تاتاریوں نے وسط ایشیاء کو اپنے پیہم قیامت خیز حملوں سے تہ و بالا کر کے وہاں سیاسی، سماجی اور علمی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا اور علماء و فضلاء کی کثیر تعداد اپنے آبائی اوطان کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ بخارا و بغداد کے یہ ٹوٹے ہوئے تارے ہندوستان کی فضائے علم پر آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے اور دہلی کو اپنے آغاز سفر ہی میں علماء و مشائخ کی ایک ایسی جماعت میسر آگئی جس نے اپنی نواسنجیوں سے پورے ملک کو پُرشور کر دیا۔ سلطان ہند شمس الدین التمش علماء و مشائخ کی صحبت کا بڑا دلدادہ اور گرویدہ تھا جب کسی بزرگ یا عالم کی آمد کی خبر سنتا تو میلوں تک استقبال کیلئے جاتا اور عزت و احترام سے محل شاہی میں مہمان رکھتا[1] سلطان التمش کی اس علم دوستی و علماء نوازی کا یہ اثر ہوا کہ صدہا علماء، مشائخ اور ادیب اس ملک میں آکر بس گئے۔

اس عہد میں اپنی علمی و روحانی سرگرمیوں سے جن علماء و مشائخ نے ہندوستان کے وقار کو بلند کیا ان میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشی[2] (۲) قاضی حمید الدین ناگوری (۳) شیخ بدرالدین اسحاق (۴) شیخ جلال الدین تبریزی (۵) شیخ سید نورالدین مبارک غزنوی (۶) قاضی سعیدالدین کردی (۷) شیخ نظام الدین ابوالموئد (۸) شیخ بدرالدین غزنوی (۹) نظام الملک کمال الدین جنیدی (۱۰) شیخ الاسلام نجیب الدین۔

قاضی حمید الدین ناگوری صاحب تصانیف بزرگ تھے مطالعہ نہایت وسیع بالخصوص تصوف میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ رسالۂ عشقیہ، طوالع الشموس، لوائح اور شرح اسماء حسنیٰ فن تصوف میں آپ کی تصنیفی یادگار ہیں۔

---

[1] فتوح السلاطین ص ۱۰۹ — ۱۱۰، — [2] ان بزرگوں کے حالات کے لئے اخبار الاخیار مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی دیکھئے۔

اس عہد میں دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں بھی کثرت سے قائم ہوئیں جن میں مدرسہ معزی مدرسہ ناصری تو حکومت کے زیر انتظام تھے ان کے علاوہ علماء انفرادی طور پر اپنے مقامات پر تدریس و تعلیم میں سرگرم رہتے تھے۔ مشائخ چشت کی خانقاہوں کے ساتھ مدارس کا ہونا گویا لازمی تھا۔ البتہ سہروردی سلسلہ کی خانقاہوں سے ملحق مدارس کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس خانوادہ کے مشہور بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی[1] کو تعلیم و تدریس سے نہایت شغف تھا۔ اور انھوں نے اپنی خانقاہ سے ملحق ایک مدرسہ بھی جاری کر رکھا تھا جس میں وہ خود بھی درس دیتے تھے اور دیگر معلمین کی بھی خاطر خواہ مشاہرہ پر خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔

مسجدوں سے ملحق تو مدارس کی اس زمانہ میں نہایت کثرت تھی اور ہر ہر مسجد میں کسی نہ کسی عالم کا درس ضرور ہوتا تھا۔

عہد بلبن میں علوم اسلامی ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ جس زمانہ میں سلطنت دہلی کی بنیاد پڑی اس وقت اکثر بلاد اسلامیہ تاتاریوں کے تخت و تاراج کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ عہد بلبن میں ہلاکو خاں نے اس آگ و خون کے ہنگامہ کو مزید ہوا دی۔ جس نے بغداد کے علمی، سیاسی، معاشرتی نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اس لئے اس علاقہ کے باقی ماندہ علماء نے ناچار وہاں سے کوچ کر کے دارالامان ہندوستان کی راہ لی جن کی سلطان بلبن نے بقدر مراتب دل کھول کر عزت افزائی کی۔ اس طرح ہندوستان کی علمی زندگی میں تازہ روح دوڑ گئی اور دہلی رشک بغداد و قرطبہ بن گئی۔

اس دور کے مشاہیر علماء و مشائخ میں سے بعض حضرات یہ ہیں۔

(۱) شیخ شمس الدین خوارزمی استاذ حضرت نظام الدین اولیاءؒ (۲) شیخ برہان الدین بلخی (۳) شیخ برہان الدین بزاز (۴) شیخ نجم الدین دمشقی (۵) قاضی رکن الدین سامانہ (۶) شیخ سراج الدین سجزی (۷) شیخ شرف الدین دلوالجی (۸) قاضی ظہیر الدین (۹) قاضی رفیع الدین گازرونی[2]

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۱ ص ۱۲۰ ، [2] تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ فیروز شاہی ص ۶۸ اور اس سے آگے

عہدِ علائی میں علمی ارتقاء سلطان علاء الدین خلجی خود تو علم سے بے بہرہ تھا مگر اس کا عہد علم و علماء کی کثرت کی بناء پر علومِ اسلامی کا عہدِ زرّیں کہلانے کا...... مستحق ہے۔ بقول معاصر مورخ ضیاء الدین برنی دار الملک دہلی میں اس وقت چھیالیس علماء ایسے تھے جن کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل تھی اور ان میں بعض علماء تو امام غزالی و امام رازی کے ہم پایہ و ہم مرتبہ تھے۔

اس دور کے اہم علماء و مشائخ میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ ضیاء الدین سنامی صاحب نصاب الاحتساب (۲) شیخ ظہیر الدین بھکری (۳) شیخ فرید الدین شافعی (۳) سلطان المشائخ حضرت نظام الدین الدین اولیاء بدایونی (۴) قاضی مغیث الدین بیانوی (۵) شیخ شمس الدین یحییٰ اودھی (۶) شیخ حمید الدین مخلص (۷) شیخ کمال الدین کوئلی (۸) شیخ علاء الدین صدر الشریعۃ (۹) شیخ فخر الدین ہانسوی (۱۰) شیخ نصیر الدین کرڑوی وغیرہ۔

عہدِ تغلق کے علماء اور مدارس اس دور میں اگرچہ دور خلجی جیسی علمی شان و شوکت باقی نہیں رہی پھر بھی محمد بن تغلق کی علمی دلچسپیوں کے باعث یہ ایک یادگار عہد تھا دیگر شہروں کے علاوہ صرف دہلی میں اس وقت بقول بعض عرب سیاح ایک ہزار مدارس تھے جن میں فیروز شاہ کا مدرسہ اسلامی علوم کی اعلیٰ ترین درسگاہوں میں تھا جسے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے اس کے ساتھ مشہور علماء و مشائخ کی ایک خاصی تعداد دار الملک میں موجود تھی جن کی علمی سرگرمیوں نے اس دور کو بڑی رونق دی تھی مثلاً (۱) شیخ معین الدین عمرانی انھوں نے تدریس کے علاوہ کنز الدقائق حسامی اور مفتاح پر حواشی لکھے تھے۔ (۲) شیخ علاؤ الدین اندرپتی (۳) شیخ ضیاء الدین نخشبی جن کی حسب ذیل تصانیف ان کی وسعتِ معلومات پر شہادت دے رہی ہیں۔

(۱) چہل ناموس (۲) سلک السلوک (۳) گلریز (۴) لذات النساء (۵) شرح دعائے سریانی (۶) طوطی نامہ (۴) شیخ عبد المقتدر دہلوی صاحب قصیدہ لامیہ (۵) مولانا خواجگی (۶) شیخ احمد تھانیسری جنھیں حملۂ تیمور کے وقت گرفتار کر کے تیمور کے دربار میں پیش کیا گیا وہاں شیخ الاسلام نبیرۂ شیخ برہان الدین مرغینانی صاحبِ ہدایہ سے کسی بات پر تیز کلامی ہوگئی اور شیخ احمد تھانیسری نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ صاحبِ ہدایہ کی غلطیوں کی نشاندہی کریں۔

عہد بلبن و علائی کی طرح اس عہد میں بھی ممالکِ اسلامی سے بکثرت علماء و شعراء آئے اور اپنی کاوشوں اور ادبی سرگرمیوں سے اس عہد کو خوب رونق بخشی۔

الغرض آسمانِ علم کا وہ ہلال جو سندھ و ملتان کے افق سے طلوع ہوا تھا اور آٹھویں صدی ہجری میں دہلی کے مطلع سے بدر کامل بن کر پوری سرزمینِ ہند کو اپنی ضیاء پاشیوں سے منور کر دیا تھا، گہن میں آگیا۔ محمود شاہ کے عہد میں تیمور لنگ قیامتِ صغریٰ بن کر دہلی پر آنازل ہوا اور تین دن تک اس دار العلم والامن کے کوچہ و بازار میں قتل و غارت گری کا ہنگامہ اس طرح برپا کیا کہ علم و فضل کی ساری محفلیں اجڑ گئیں علماء و فضلاء دہلی چھوڑ کر دوسرے شہروں میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے اور باقی ماندہ حضرات اپنی جانوں کے خوف سے روپوش ہو گئے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

دہلی کے یہ ٹوٹے ہوئے تارے جون پور کے مطلع علم سے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے عین انھیں حالات میں جب کہ دہلی کے علمی، تمدنی اور سیاسی گلستاں میں بادِ سموم کے جھونکے چل رہے تھے۔ دیار پورب کے ایک شہر جونپور میں علم و دانش اور تہذیب و ثقافت کے چمنستان میں بہار انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ تاجدار سلطنت شرقیہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی کی عدل گستری، علم دوستی اور علماء نوازی سے جونپور مرجع ارباب فضل و کمال بنا ہوا تھا۔ دہلی کے علماء و فضلاء تیمور کی ستم کاریوں سے مضطرب ہو کر جونپور کی جانب چلے آرہے تھے۔ ان میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحر مواج وغیرہ قاضی نظام الدین مرتب فتاویٰ ابراہیم شاہیہ، شیخ ابوالفتح بن شیخ عبد المقتدر دہلوی، قاضی نصیر الدین گنبذی، شیخ ابو الجلال اسماعیل عباسی، شیخ عیسیٰ بن... وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

جونپور کا یہ علمی دور محمد شاہ کے آغاز جلوس ۱۱۳۱ھ تک قائم رہا۔ تاآنکہ[۵] برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری شیعی نے اپنے زمانہ صوبہ داری میں یہاں کے مدارس اور علماء و فضلاء کی جاگیریں ضبط کرلیں اور اس علمی گلستان کو ویران کر دیا۔

اس طویل عرصہ میں اس سرزمین سے ایسے ایسے علماء و مشائخ ابھرے جن کے کارناموں پر تاریخ

---

[۵] نزہۃ الخواطر / تائز الکرام ج ۱ ص ۲۲۲۔

اسلامیہ آج بھی مفتخر ہے۔ ان باکمال بزرگوں میں مذکورۃ الصدر حضرات کے علاوہ (۱) شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری (۲)، ملا عبدالملک جونپوری (۳)، ملا الہ داد جونپوری صاحب شرح ہدایہ و بیضاوی وغیرہ (۴)، سید محمد جونپوری امام فرقہ مہدویہ، (۵) قاضی خاں ظفرآبادی مرشد شیخ عبدالعزیز چشتی جونپوری دہلوی (۶)، ملا محمود جون پوری صاحب شمس بازغہ وغیرہ (۷) دیوان محمد رشید جون پوری صاحب مناظرہ رشیدیہ وغیرہ۔ (۸) شیخ بہاءالدین چشتی محدث جون پوری (۹) شیخ حامد عباسی چریاکوٹی از مرتبین فتاویٰ عالمگیری (۱۰) قاضی محی الدین جون پوری از مرتبین فتاویٰ عالمگیری وغیرہ اپنے اپنے دور میں سیکڑوں علماء و مشائخ تھے جو علوم ظاہری و باطنی دونوں میں عبقریت کا درجہ رکھتے تھے ان حضرات کے وجود باجود سے اس دیار میں علوم اسلامی کی خوب ترویج و ترقی ہوئی۔

یورپ کی طرح ساحلی علاقوں میں بھی اس وقت علمی محفلیں سجی ہوئی تھیں اور علماء و محدثین پورے اطمینان و سکون سے علمی مشاغل میں مصروف تھے۔ بغرض اختصار تفصیل کو نظر انداز کیا جا رہا ہے

فتنۂ تیموری کے بعد تقریباً نصف صدی تک حکومت دہلی اختلال و انتشار کا شکار رہی بالآخر ۸۵۵ھ میں بہلول لودھی نے دہلی کے تخت و تاج پر قبضہ کر کے اپنے عزم و ثبات اور تدبیر و فراست سے دہلی کی مردہ سلطنت میں از سرنو جان ڈال دی اور اس کے جانشین سکندر لودھی کے عہد میں قریب قریب وہی استحکام پیدا ہو گیا جو عہد تغلق میں تھا اور دہلی پھر سے علماء، فضلاء، مشائخ، صوفیاء اور شعراء کا مرکز بن گئی

ملا بدایونی عہد سکندری کے متقدر علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ بڑے پایہ کے عالم تھے ملتان سے ترک سکونت کر کے دہلی آئے اور علوم معقول کو رواج دیا۔ شیخ عزیز اللہ کے علمی استحضار کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل ترین کتابوں کا درس زبانی دیا کرتے تھے انھیں کے تلامذہ میں میاں قاسم سنبھلی تھے ان دونوں بھائیوں کے علاوہ (۱) شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی (۲)، مولانا سماءالدین ملتانی نبیرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت۔ (۳) شیخ فتح اللہ اودھی (۴)، سید جلال الدین بدایونی (۵) مولانا شعیب دہلوی (۶) میاں حامد جمالی (۷)، شیخ رزق اللہ دہلوی (۸) شیخ حسن طاہر دہلوی (۸) شیخ حسن طاہر جون پوری وغیرہ اس عہد کے مشاہیر علماء و مشائخ میں تھے۔

آخر الذکر بزرگ کو سلطان سکندر نے خود جون پور سے بطورِ خاص دعوت دیکر بلایا تھا۔
شیخ سید رفیع الدین شیرازی بھی اسی عہد کے نامور محدّث تھے جنھوں نے معقولات براہِ راست محقق دوانی سے اور حدیث حافظ سخاوی سے حاصل کی تھی سلطان سکندر نے انھیں گجرات سے دہلی بلایا پھر یہاں سے آگرہ منتقل ہو گئے جہاں تادمِ آخر علومِ اسلامیہ کی تعلیم وتدریس میں منہمک رہے شیخ ابوالفتح محدّث تھانیسری آپ کے تلمیذ رشید اور جانشین تھے۔
۹۳۲ھ میں بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم شاہ لودھی کو شکست دیکر مغل سلطنت کی بنیاد رکھی بابر خود ترکی اور فارسی زبان کا فاضل، ادیب اور شاعر تھا تزک بابری اسکے تبحرِ علمی کی یادگار ہے۔ یہ علماء وفضلاء کی بڑی قدر کرتا تھا اور ہمیشہ اپنے ساتھ اہلِ علم کی ایک خاص تعداد رکھتا تھا اس عہد کے مشاہیر علماء میں (۱) شیخ الاسلام سیف الدین نبیرہ علامہ سعد الدین تفتازانی۔ (۲) شیخ حسن متکلم (۳) میر جمال الدین محدّث (۴) شیخ عطاء اللہ مشہدی (۵) مولانا شہاب الدین معمائی (۶) شیخ ابوالواجد فارغی (۷) شیخ زین الدین وغیرہ خصوصی امتیاز کے مالک تھے۔
بابر کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں تختِ نشین ہوا یہ بھی بڑا علم دوست اور علماء نواز تھا علمِ ہیئت اور ہندسہ سے اُسے خاص شغف تھا اس کے عہد کے دو نئے مدرسے نہایت مشہور تھے ایک شیخ زین الدین کا مدرسہ آگرہ میں اور دوسرا دہلی کا مدرسہ جس میں شیخ حسن تبریزی مدرس تھے ___ ہمایوں کی وفات کے بعد ۹۶۳ھ میں اس کا بیٹا جلال الدین اکبر سریر آرائے سلطنت ہوا۔ یہ خود تو پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اپنے آباء واجداد کی طرح علوم وفنون سے کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ مگر اس دلچسپی میں علوم دینیہ کا حصّہ کمتر ہی تھا۔ اس عہد کے علماء میں (۱) شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، (۲) شیخ احمد سرہندی الملقب مجدّد الف ثانی، شیخ عبدالنبی گنگوہی (۳) ملا عبدالقادر بدایونی صاحبِ منتخب التواریخ (۴) میر فتح اللہ شیرازی (۵) مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری (۶) ملا نظام الدین بخشی (۷) ابوالفتح گیلانی (۸) شاہ رفیع الدین رنجوی (۹) امیر مرتضیٰ شریفی (۱۰) شیخ مبارک ناگوری (۱۱) ابوالفضل (۱۲) ابوالفیض فیضی وغیرہ ہر قسم کے علماء وفضلاء تھے جن میں سے اگر ابوالفضل، فیضی وغیرہ نے اکبر کے ذہن ومزاج کو بگاڑ کر دینِ محمدی کے مقابلہ میں دینِ الٰہی کے نام پر الحاد وزندقہ پر آمادہ کیا

کاوشوں سے اس مذہب جدید کی راہ میں توحید خالص اور دین قیم کی ایسی مضبوط و مستحکم دیوار کھڑی کردی کہ دین الٰہی اکبر کے بنائے ہوئے گھروندے ہی میں محبوس ہو کر دم توڑ گیا۔

شیخ محدث دہلوی کا یہ کارنامہ بھی یادگار رہے گا کہ انھوں نے علم حدیث کو جو شمالی ہند میں ایک عرصہ سے مضمحل ہو گیا تھا نئی زندگی عطا کی اور علم حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر پھر دہلی آ گیا۔

شیخ دہلوی نے حدیث کی تدریس کے ساتھ تفسیر، تجوید، حدیث، عقائد، فقہ، تصوف، اخلاق، تاریخ، سیر وغیرہ موضوعات پر تقریبًا، پانچ درجن کتابیں بھی تصنیف کیں۔

دور اکبری کے ایک عظیم محدث شیخ محمد بن طاہر پٹنی بھی ہیں۔ جنھوں نے گجرات میں بیٹھکر حدیث نبوی کی بزم آراستہ کی اور درس حدیث کے ساتھ، مجمع البحار، مغنی، تذکرۃ الموضوعات، قانون الموضوعات جیسی بلند پایہ کتابیں بھی تصنیف کیں اکبر کے انتقال کے بعد ۱۴ ۱۰ھ میں جہانگیر تخت نشین ہوا، اس نے اپنے عہد حکومت میں دینی درسگاہوں کی جانب بطور خاص توجہ کی جو اکبر کی بے دینی اور بے التفاتی سے کس مپرسی کے عالم میں تھیں۔ جہاں گیر نے تعلیمی ترقی کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ اگر کوئی لامعلوم تاجر کسی جگہ انتقال کر جائے یا شہر میں کوئی لاوارث صاحب جائداد فوت ہو جائے تو اس کے اموال خزانۂ شاہی میں داخل کرنے کے بجائے مدارس و مساجد کے مصارف و تعمیر میں خرچ کئے جائیں۔ جہانگیر کی اس توجہ سے بہت سے ویران مدرسے دوبارہ آباد ہو گئے

عہد جہانگیری کے مشاہیر علماء یہ ہیں:

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۲) شیخ مجدد الف ثانی احمد سرہندی (۳) میر سید طیب بلگرامی (۴) شیخ محمد غوثی صاحب گلزار ابرار (۵) شیخ نورالحق محدث بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۶) شیخ محمد سعید سرہندی (۸) شیخ خواجہ محمد معصوم سرہندی ابناء شیخ مجدد الف ثانی (۸) شاہ ابوالمعالی۔

شاہجہاں کے زمانہ میں علوم اسلامیہ کی مزید اشاعت ہوئی۔ دہلی کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی علمی مراکز قائم ہوئے جن میں جونپور، لاہور، اور احمد آباد میں خصوصی طور پر علمی چرچا تھا۔ ہندوستان سے باہر ہرات و بدخشاں وغیرہ سے طلبہ یہاں تعلیم و تحصیل کی غرض سے آتے تھے

دورِ شاہجہانی کے علماء میں (۱) ملّا یوسف لاہوری (۲) ملّا عبداللطیف (۳) ملّا عبدالسلام دیوی (۴) ملّا کمال کشمیری (۵) ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی (۶) ملّا محمد ماہ دیوگامی (۷) ملّا محمد ارشد جونپوری وغیرہ کو علمی حلقوں میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ خود دہلی میں شیخ عبدالحق کے فرزند ارجمند شیخ نورالحق حدثنا و اخبرنا کی صدائے جاں نواز سے دہلی کو حیاتِ نو عطا کر رہے تھے۔

شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب عالمگیر نے اورنگ شاہی کو زینت بخشی یہ خود ایک متبحر عالم محقق فقیہ اور صاحب طرز ادیب و انشا پرداز تھے، انھوں نے مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبات و قریات میں بھی دینی درسگاہیں قائم کیں ان کے معلمین کے وظیفے جاری کئے، جو علماء ذاتی طور پر تدریس و تعلیم کا کام انجام دیتے تھے انھیں اور جو مدرسین سرکاری مدارس سے وابستہ تھے غرض ہر ایک کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر کے فکرِ معاش سے فارغ البال کر دیا۔ تقریباً پچاس صاحب نظر علماء کی ایک اکیڈمی قائم کر کے فتاویٰ عالمگیری کو مرتب کرا دیا۔ یہ عالمگیر کا ایسا عظیم فقہی کارنامہ ہے۔ جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائیگا اس عظیم کتاب کی ترتیب و تدوین میں جو علماء عظام شریک تھے ان میں سے جن حضرات کے نام مجھے معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) شیخ نظام الدین برہان پوری۔ صدر مجلس۔ (۲) قاضی محمد حسین جون پوری۔ محتسب
(۳) شیخ علی اکبر حسینی بن سعداللہ خاں مرتب (۴) شیخ حامد جریا کوٹی مرتب
(۵) مفتی محمد اکرام حنفی لاہوری۔ " (۶) شیخ رضی الدین بھاگلپوری "
(۷) شیخ عبدالرحیم دہلوی " (۸) مفتی وجیہ الدین گوپاموی "
(۹) شیخ احمد بن منصور گوپاموی " (۱۰) ابوالبرکات بن حسام الدین دہلوی "
(۱۱) مفتی محمد جمیل بن عبدالجلیل جونپوری " (۱۲) ملّا ابوالواعظ بن قاضی صدرالدین "
(۱۳) شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی " (۱۴) شیخ نظام الدین بن نور محمد ٹھٹھوی "
(۱۵) شیخ محمد سعید بن قطب الدین سہالوی " (۱۶) مفتی عبدالصمد جون پوری "
(۱۷) مفتی جلال الدین مچھلی شہری " (۱۸) قاضی عصمت اللہ بن عبدالقادر لکھنوی "
(۱۹) قاضی محمد دولت بن یعقوب فتحپوری " (۲۰) شیخ محمد غوث کاکوروی "
(۲۱) شیخ سید عبدالفتاح بن ہاشم صمدی " (۲۲) شیخ سید محمد قنوجی استاذ عالمگیر "

(۲۳) شیخ محمد شفیع مرتب (۲۴) شیخ محمد فائق مرتب
(۲۵) شیخ وجیہ الرب " (۲۶) علامہ ابوالفرج معروف بہ سید معدن "
(۲۷) شیخ غلام محمد قاضی القضاۃ لاہور " (۲۸) قاضی سید عنایت اللہ مونگیری "
(۲۹) شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر[۱] "

مرتبین فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ اس زمانہ کے علماء میں (۱) شیخ غلام نقشبند گھوسوی لکھنوی، (۲) شیخ ملا احمد معروف بہ ملاجیون انبیٹھوی، (۳) ملا اصغر قنوی (۴) ملا زاہد ہروی (۵) شیخ حاجی صبغۃ اللہ خیرآبادی (۶) شیخ عیسیٰ محدث گوپاموی (۷) شیخ قطب الدین سہالوی (۸) شیخ لطیف سلطان پوری (۹) قاضی محب اللہ بہاری (۱۰) حافظ امان اللہ بنارسی (۱۱) قاضی عبدالباقی جونپوری (۱۲) شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی وغیرہ نے کافی شہرت و مقبولیت پائی اور ان کا علمی فیض خوب عام ہوا۔

عالمگیر کی وفات کے بعد ۱۱۱۸ھ میں شاہ عالم تخت و تاج کا مالک ہوا، یہ بھی اپنے والد کیطرح عالم و فاضل اور علم دوست حکمراں تھا اسی کے زمانہ میں میر غازی الدین نے دارالسلطنت دہلی میں ایک نیا مدرسہ قائم کیا۔ سید احمد محدث ہردی، مولانا مملوک علی نانوتوی، مولانا ضیاء الدین وغیرہ اس مدرسہ کے نامور اساتذہ میں سے تھے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سرسید احمد خاں، منشی ذکاء اللہ، ڈپٹی نذیر احمد جیسے علماء روزگار و ماہرین تعلیم اس کے طالب علم رہ چکے ہیں۔[۲]

بعد میں اس مدرسہ کو انگریزوں نے دہلی کالج میں تبدیل کردیا اور پھر ۱۸۷۷ء ۱۲۹۴ھ میں اسے بھی ختم کردیا۔ عالمگیر کے بعد اگرچہ مغل شاہزادے تقریباً ڈیڑھ صدی تک دلّی کے تخت و تاج پر قابض رہے۔ لیکن انگریزوں کی پیہم ریشہ دوانیوں اور سیاسی چالبازیوں کی بناء پر کاروبار سلطنت میں روز بروز ابتری ہی آتی گئی حتیٰ کہ نام کے علاوہ حکومت میں ان کا کوئی عمل دخل باقی نہیں رہا جس کا اثر تعلیمی نظام پر بھی پڑا اور دلّی کے مدارس کی رونق مدھم پڑگئی اور اکثر درسگاہیں بند ہوگئیں

---

[۱] الثقافۃ الاسلامیہ تکملہ تذکرۂ علماء ہند، بزم تیموریہ اور ظفر المحصلین وغیرہ کی مدد سے یہ فہرست تیار کی گئی ہے۔ [۲] دہلی کے قدیم مدارس و مدرس صفحہ ۱۲۱،

لیکن اس دور زوال میں بعہد محمد شاہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسلامی علوم وثقافت کی گرتی ہوئی ساکھ کو برقرار رکھنے کیلئے ہمہ تن مصروف تھے چنانچہ ایک طرف تو حجۃ اللہ جیسی انقلاب آفریں کتاب تصنیف کر کے علماء کو ان کے فرائض منصبی کی جانب متوجہ کیا اور اصلاح حال کے نقشے مرتب کئے۔ دوسری جانب اپنے والد شیخ عبدالرحیم کے مدرسہ میں درس قرآن وحدیث کی مجلس آراستہ کی، اور دیکھتے دیکھتے ایک بار پھر اُجڑی ہوئی دلی علم حدیث کا ایک عظیم مرکز بن گئی شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ کے بعد یہ حضرت شاہ صاحب ہی کا کارنامہ ہے کہ ہندوستان میں فن حدیث پھر سے زندہ ہوگیا۔ درسگاہِ ولی اللہی سے چاروں صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ عبدالغنی کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ محمد عاشق پھلتی، اخوں محمد سعید، خواجہ محمد امین، علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی صاحب تاج العروس شرح قاموس، مولانا رفیع الدین مرادآبادی وغیرہ ایسے ایسے اساطین علم پیدا ہوئے جنھوں نے پورے ہندوستان کو قال اللہ وقال الرسول کے آوازہ سے پرشور بنادیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مسندِ درس کو سنبھالا اور اپنے والد بزرگوار کے لگائے ہوئے گلستانِ علم کی اس خوش اسلوبی سے آبیاری ونگہداشت کی کہ اسے سدابہار بنادیا۔

اسی عہد زوال میں ملا نظام الدین سہالوی نے فرنگی محل لکھنؤ میں بیٹھکر اس نصاب تعلیم کو مرتب کیا جو علمی دنیا میں درس نظامی کے نام سے مشہور ہے اور مختصر سے حذف واضافہ کے ساتھ آج بھی عربی درسگاہوں میں رائج ہے۔ ملا نظام الدین کی درسگاہ سے بھی سیکڑوں علماء وفضلاء پیدا ہوئے جن میں بحر العلوم عبدالعلی صاحب رسائل الارکان، مولانا عبدالحلیم، ملا حسن، مفتی محمد یوسف، مولانا عبدالحئی اور ان کے تلامذہ میں علامہ ظہیر احسن شوق نیموی صاحب آثار السنن مولانا محمد حسن اسرائیلی صاحب تنسیق النظام شرح مسند امام اعظم، مولانا حفیظ اللہ اعظمی وغیرہ اپنے اپنے وقتوں میں علم وفن کے مسلم استاذ تھے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد ان کے نواسے حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی نے مسند تدریس کو سنبھالا اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی اپنے اسلاف کرام کیطرح خوب

مقبولیت عطا کی اور اکابر علماء ان کے حلقہ درس سے نکلے جن میں مولانا شاہ عبدالغنی مجددی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، نواب صدرالدین خاں دہلوی، نواب قطب الدین خاں دہلوی شیخ محمد محدث تھانوی، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی مولانا علی عالم مرادآبادی مولانا سید میاں نذیر حسین محدث بہاری دہلوی بڑی شہرت و مقبولیت کے مالک ہوئے آخر الذکر بزرگ کے حلقہ درس سے ہندوستان میں مسلک عدم تقلید کی ترویج ہوئی اور اس مسلک کے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جن میں نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی، مولانا عبداللہ اعظمی غازی پوری، مولانا شمس الحق ڈیانوی صاحب عون المعبود شرح ابی داؤد، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالمنان وزیرآبادی وغیرہ کبار علماء اہل حدیث میں شمار ہوتے ہیں

حضرت شاہ اسحاق صاحب کی ہجرت مکہ معظمہ کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی ان کے جانشین ہوئے۔ شیخ مجددی کے درس کو بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ اسحاق مہاجر مکی اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی کو شرف عظیم عطا فرمایا ہے کہ تمام دنیائے اسلام ان کی زیر بار احسان ہے اور آج جہاں بھی کوئی قال رسول اللہ کہتا ہے ان دونوں بزرگوں کا واسطہ اس میں ضرور ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے تلامذہ کی تعداد حد شمار سے باہر ہے لیکن ان میں دو صاحب سلسلہ بزرگوں کا فیض سب سے زیادہ عام ہوا ایک — ان میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ہیں اور دوسرے قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی،

ان ہر دو بزرگوں کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے دیوبند کے ایک چھوٹے سے مکتب کی سرپرستی و نگرانی فرماکر اسے ایک عظیم علمی تحریک کی حیثیت عطا کردی۔ جسے آج دنیا دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی آغوش تربیت میں پروان چڑھ کر اب تک دس ہزار سے زائد علماء و فضلاء اطراف عالم میں پھیل چکے ہیں۔ جن میں بہت سے افراد بجائے خود ایک مدرسہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر دارالعلوم کا یہ فیض ہندوستان تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس کے ابر گہربار نے برما، ملیشیا، انڈونیشیا، کابل، بخارا، ایران، ترکستان، افریقہ وغیرہ اور خود علوم اسلامی کے منبع و مرکز حجاز کو بھی سیراب کیا۔ فضلاء دارالعلوم کی اس کثیر تعداد میں سے حضرت

کے نام بطور نمونہ درج ذیل ہیں جس سے دار العلوم کی ہمہ گیر خدمات کا اندازہ ہوگا۔

(۱) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، (۲) حضرت مولانا احمد حسن امروہوی (۳) حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی (۴) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۵) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری (۶) حضرت مولانا سید انور شاہ محدث کشمیری (۷) حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی فیض آبادی (۸) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری دہلوی، (۹) حضرت مولانا عبید اللہ سندی۔ (۱۰) حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندی (۱۱) حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی (۱۲) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (۱۳) مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۴) شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی (۱۵) مولانا فخر الدین محدث مرادآبادی (۱۶) مولانا سید بدر عالم میرٹھی (۱۷) مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۸) مولانا سید محمد یوسف بنوری (۱۹) مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (۲۰) مولانا عبد العزیز محدث پنجابی (۲۱) علامہ محمد ابراہیم بلیاوی (۲۲) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی (۲۳) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی (۲۴) حضرت شمس الحق افغانی وغیرہ۔ جنھوں نے اپنی علمی و دینی سرگرمیوں اور گرانقدر تصنیفات کے ذریعہ برصغیر کو علوم اسلامیہ کا ایک سدا بہار گلستان بنا دیا اور دار العلوم کے نقش قدم پر آج سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں درسگاہیں علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ جنھیں درحقیقت بالواسطہ دار العلوم ہی کا فیض کہا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب

دارالعلوم دیوبند کے ماضی و حال سے متعلق کچھ ضروری باتیں

[دار]العلوم میں بحیثیت طالب علم:

یہ عاجز اب سے قریباً ۶۰ سال پہلے استاذ نا حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے دورِ صدارت تدریس میں دارالعلوم کا طالب علم رہا۔ اس وقت اس کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہیں سمجھتا کہ میرے والد ماجد علیہ الرحمہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صاحبِ استطاعت تھے، میں فیس داخل کر کے دارالعلوم کے مطبخ سے کھانا لیتا تھا۔ کسی وظیفہ کی شکل میں بھی کبھی کوئی مادی نفع دارالعلوم سے میں نے طالب علمی کے اس دور میں نہیں لی۔ لیکن بہت تھوڑی سی مقدار میں علم نام کی جو ایک نعمت خاصکر علم حدیث سے برائے نام سہی کچھ مناسبت (جو یقیناً اس دنیا کی عظیم ترین نعمت اور دولت ہے) اس ناچیز کو نصیب ہے، وہ اول سے آخر تک دارالعلوم اور صرف دارالعلوم ہی کی دین اور صدقہ ہے — اور اس لحاظ سے مجھ پر دارالعلوم کا وہ عظیم ترین احسان و حق ہے، جو غالباً مرحوم والدین ماجدین اور مخصوص اساتذہ کے سوا اور کسی کا نہ ہوگا — اللہ تعالیٰ اس کے احساس اور حق کی ادائیگی کی فکر و توفیق سے کبھی محروم نہ فرمائے۔

رسمی طالب علمی کا دور ختم ہو جانے کے بعد بھی دارالعلوم اور اپنے اساتذہ و اکابرِ جماعت کے ساتھ ایک درجہ کا خصوصی تعلق رہا اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل و کرم تھا کہ اپنے سب اساتذہ اور اکابر کی خصوصی شفقت اور نظرِ عنایت نصیب رہی — اس کا ایک ظاہری سبب بھی تھا، اللہ تعالیٰ مجھ سے جماعتِ دیوبند اور اس کے اکابر کی طرف سے دفاع اور وکالت کی خدمت لے رہا تھا، یہاں تک کہ ایک دفعہ جماعتی مصلحت سے اس کی ضرورت پڑ گئی کہ ساری جماعت کے مسلم پیشوا کی حیثیت سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ "وکالت نامہ" تحریر فرما دیں، تو حضرت نے وکالت نامہ بھی تحریر فرما دیا (یہ ۱۳۵۲ھ کا واقعہ ہے) یہ وکالت نامہ اب سے ۴۹ سال پہلے "الفرقان" کے سب سے پہلے شمارہ (محرم ۱۳۵۳ھ) میں شائع کر دیا گیا تھا۔

مجلس شوریٰ دارالعلوم کی رکنیت رجب ۱۳۶۳ھ (۱۹۴۴ء) میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ
کا وصال ہوا، حضرت کے مرضِ وفات میں اور وصال کے بعد بھی اس ناچیز کا قیام حضرتؒ کے مستقر دعوت تبلیغ
کے مرکز نظام الدین (دہلی) میں کچھ زیادہ عرصہ تک رہا تھا، انہی ایام میں ایک دن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ
علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی (انھوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ مجھے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن منتخب
کر لیا گیا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ اپنے کو میں اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا اور میری کوئی حیثیت نہیں تھی ——
میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے کیوں اور کیسے منتخب کر لیا گیا؟ ——

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ پہلے اصولی طور پر یہ طے ہو گیا تھا کہ ایسے ارکان منتخب کئے جائیں جن پر
سب کو اتفاق ہو، تمہارے نام پر بھی سب کو اتفاق ہو گیا۔ مجھے یہ تفصیل معلوم کر کے خاص خوشی ہوئی اور
اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے مختلف الخیال بزرگوں نے مجھ پر اعتماد فرمایا۔

میرا اصول اور رویہ میری رکنیت کا یہ انتالیسواں (۳۹) سال ہے، اس پوری مدت میں میں نے اپنے
کو کسی شخصیت یا گروپ سے وابستہ نہیں کیا، جس بات کو صحیح اور دارالعلوم کے مفاد میں سمجھا خواہ وہ
کسی کی طرف سے ہو اس کی تائید و حمایت کی اور جس کو صحیح نہیں سمجھا اُس سے اختلاف کیا، صرف حضرت
مولانا مدنیؒ کے ساتھ میرا رویہ یہ رہا کہ جب ان کی کسی تجویز یا رائے سے مجھ کو اختلاف ہوتا تو میں مجلس میں
اس پر گفتگو نہ کرتا خاموش رہتا، بعد میں تنہائی میں ملاقات کر کے اپنی رائے عرض کرتا —— یقین ہے
ساتھ یاد ہے کہ کم از کم دو تین دفعہ ضرور ایسا ہوا کہ میری تنہائی کی گفتگو کے بعد حضرت نے اپنی رائے بدل دی
اور مجلس کی اگلی نشست میں اس کا اظہار بھی فرما دیا۔

حضرت مولانا مدنیؒ کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ کی حیات میں اگرچہ مہتمم مولانا محمد طیب صاحب ہی تھے
لیکن دارالعلوم پر بڑی حد تک کنٹرول حضرت مولانا ہی کا تھا۔ اس زمانہ میں بھی دارالعلوم میں کچھ ایسی چیزیں
ہوتی تھیں جو نہ ہونی چاہیے تھیں۔ لیکن ادارہ کی غیر معمولی وسعت اور مجموعی حیثیت سے خیر کے غلبہ کے پیش نظر وہ
نظرانداز کی جا سکتی تھیں، مگر حضرت مولانا کے بعد ایسی چیزیں برابر بڑھتی رہیں —— ہمارے موجودہ
مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی قابلِ رشک خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے
جن کی بنا پر وہ یقیناً لائقِ احترام ہیں لیکن ان کے سب جاننے والے جانتے ہیں کہ ان میں وہ صلابت اور مضبوطی
اور اصولوں پر کسی رعایت و مروت کے بغیر جمنا اور اپنے اقرباء و اہلِ تعلق کے معاملہ میں احتیاط وغیرہ اُن صفات کی

بہت کمی ہے جو دارالعلوم دیوبند جیسے کسی دینی ادارہ کے ذمہ دار اور قومی و ملی امانت کے امین کے لیئے انتہائی ضروری ہیں اور اسی وجہ سے دارالعلوم میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں ——— ایک حد تک اس کی ذمہ داری مجلس شوریٰ اور اس کے ارکان پر بھی ہے (جن میں سے ایک خود راقم سطور بھی ہے) واقعہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی مجلس نے مہتمم صاحب کا لحاظ اُس سے زیادہ کیا جس حد تک کرنا چاہئے تھا، اس لئے یہ خرابیاں برابر بڑھتی رہیں۔

استعفیٰ کا ارادہ قریباً ۸ — ۱۰ سال پہلے کی بات ہے مجھ پر شدت کے ساتھ اس احساس کا غلبہ ہوا کہ دارالعلوم میں جو معاملات اس طرح کے ہو رہے ہیں جن کے جواز کی کم از کم میرے نزدیک کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں خود بھی مجلس کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے کسی نہ کسی درجہ میں ان کی ذمہ داری میں شریک ہوں، اور اس صورت حال کی اصلاح میرے امکان سے باہر ہے اس لیے مجھے استعفاد ے کر اپنے کو اس ذمہ داری سے الگ اور سبکدوش کر لینا چاہئے ——— لیکن اپنی اس رائے اور قلبی داعیہ پر عمل کرنے سے پہلے میں نے اپنے ایک ایسے بزرگ سے مشورہ کر لینا ضروری سمجھا جو دارالعلوم کے حالات سے پوری طرح واقف تھے اور جن سے صحیح مشورہ کی امید تھی ——— میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ عرض کیا انھوں نے فرمایا دارالعلوم کے حالات کا مجھے علم ہے لیکن تمہاری رائے سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ عند اللہ برارت ذمہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ جس بات کو غلط سمجھو اس کے بارہ میں اپنی رائے ظاہر کرو وہ خواہ مانی جائے یا نہ مانی جائے۔ میں ان حالات میں بھی تمہارا مجلس شوریٰ میں رہنا دارالعلوم کے لئے مفید سمجھتا ہوں، روک ٹوک سے بھی فائدہ ہوتا ہے ——— میں نے اُس وقت اس مشورہ کو قبول کر لیا اور دارالعلوم کی گاڑی اپنی لائن پر چلتی رہی۔ میں مجلس شوریٰ کے اجلاسوں میں شرکت کرتا رہا۔

شوریٰ کے سلسلہ کے سفروں کے مصارف کے بارہ میں میرا معمول یہاں اپنے اس معمول کا ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ جب تک میری صحت اچھی تھی، میں مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے سفر عموماً پرانے زمانے کے تھرڈ کلاس میں کرتا تھا، اگر کبھی اس درجہ میں سفر ناقابل برداشت ہوا تو اس سے اُوپر کے درجہ میں منتقل ہو جاتا تھا۔ اس سفر کے مصارف دارالعلوم ادا کرتا تھا۔ دیوبند پہنچنے کے مصارف کا تو مجھے علم ہوتا تھا لیکن واپسی کے مصارف اندازہ ہی سے لینے پڑتے تھے جیسی

کمی زیادتی کا امکان رہتا تھا اور حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی طرح آنہ پائی کا حساب میرے بس کی بات نہیں تھی، اس لئے میں نے یہ معمول مقرر کر لیا تھا کہ کبھی کبھی خاص اسی مد میں دار العلوم کو کچھ رقم بھیجدیتا تھا، تاکہ اگر دار العلوم کی کچھ رقم میرے ذمہ رہ گئی ہو تو وہ ادا ہو جائے ـــــ پھر اب سے قریباً ۵-۶ سال پہلے ایک حادثہ کے نتیجہ میں میری حالت ایسی ہو گئی کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا، اور میں خیال کرنے لگا کہ شاید اب میں سفر کے قابل نہ ہو سکوں گا۔ دار العلوم کی شوریٰ کے اجلاس کے لئے بھی سفر نہ کر سکوں گا تو اس وقت میں نے آخری دفعہ پانچسو روپے کی رقم اسی مد میں بھیجی اور اس کے بعد ضمیر اس بارہ میں بالکل مطمئن ہو گیا۔ کہ انشاء اللہ اب قیامت میں مجھے دار العلوم کے ایک پیسہ کا بھی حساب دینا نہیں پڑے گا۔ وَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

معذوری کی وجہ سے کئی سال تک مجلسِ شوریٰ کے جلسوں میں غیر حاضری

جس معذوری کا اوپر ذکر کیا گیا ہے میں اس کی وجہ سے کئی سال تک مجلسِ شوریٰ کے کسی جلسہ میں شرکت نہیں کر سکا۔ اجلاس صد سالہ سے قریباً ۶ مہینے پہلے مجلسِ شوریٰ کا ایک اجلاس اُس کے بارہ میں کچھ اہم امور طے کرنے کے لئے شوال ۱۳۹۹ھ میں بلایا گیا تھا، حضرت مہتمم صاحب نے بہت تاکید سے مجھے بار بار لکھا کہ اس میں تمہاری شرکت ضروری ہے اور تمہارے ہی ذمہ یہ ہے کہ مولانا علی میاں کو بھی ساتھ لیکر آؤ تو اگرچہ صد سالہ اجلاس کے بارہ میں میری ایک خاص رائے تھی (جس کا مہتمم صاحب کو اور اکثر ارکانِ شوریٰ کو بھی علم تھا) لیکن میں نے شرکت کا فیصلہ کیا اور شریک ہوا، رفیق محترم مولانا علی میاں نے بھی شرکت فرمائی اور جو امور زیر غور تھے ان میں رائے مشورہ دیا۔

اجلاس صد سالہ اور اس کے بعد

اس کے بعد ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ (مارچ ۱۹۸۰ء) میں صد سالہ اجلاس ہوا، میں اس میں شریک نہیں ہوا۔ اس میں شریک ہونے والے حضرات جب واپس آئے تو ان سے معلوم ہوا کہ وہاں مولانا اسعد میاں کی صدارت میں "موتمر ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند" کے عنوان سے ایک تنظیم قائم ہوئی ہے۔ اور مہتمم صاحب کی صدارت میں ایک دوسری تنظیم "فضلاء دار العلوم دیوبند" کا اعلان ہوا ہے۔ تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ جو مادۂ فساد بہت دنوں سے بڑھ رہا اور پک رہا تھا اُس کے پھوٹ پڑنے کا وقت آگیا ہے ـــــ چنانچہ اس کے بعد سے نہایت ہی بدنما اور افسوسناک واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا جن سے ساری جماعت دیوبند رسوا اور بے آبرو ہوئی۔

اس کے بعد اکتوبر میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب کیا گیا اس کا خاص موضوع یہی تھا کہ ہنگاموں کے اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے جائیں ـــــ میں نے اس اجلاس میں شرکت کا ارادہ کیا تھا، لیکن عین وقت پر مجھے ایسی مجبوری پیش آگئی کہ سفر نہ کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ مولانا علی میاں تشریف لے جا رہے تھے میں نے ارکان مجلسِ شوریٰ کے نام ایک خط لکھ کر انھیں دیا، اور ان سے عرض کر دیا کہ جو صاحب جلسۂ شوریٰ کے صدر ہوں آپ یہ خط ان کے حوالے کر دیں، وہ اسے ارکان کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔

میں نے اس خط میں دارالعلوم میں ہونے والے ہنگاموں کے بارے میں لکھا تھا۔

"کوئی چیز بلا سبب پیش نہیں آتی، اور اسباب میں جہاں قریب کے اسباب کی اہمیت ہے۔ وہاں واقعات سے کچھ دوری پر واقع ہونے والے اسباب کی اہمیت بھی کم نہیں بلکہ عموماً کچھ زیادہ ہی ہوا کرتی ہے ــــ ان بدنما واقعات کا قریبی سبب میری نظر میں بیشک وہ کشمکش ہے جو تنظیم فضلاء (موتمر ابناء قدیم دارالعلوم دیوبند) کی تحریک سے شروع ہوئی ہے۔ مگر خود اس تحریک اور کشمکش کو وجود میں لانے کی سب سے بڑی ذمہ داری ــــ میرے رفقاء مجلس اور ارباب اہتمام معاف فرمائیں ــــ وہ نظام دارالعلوم میں بڑھتی ہوئی اقرباء نوازی اور مفادات کی سودے بازی ہے۔ مجلس کے ایک رکن کی حیثیت سے اس صورت حال کی جو ذمہ داری مجھ پر آنی چاہیے اس سے مجھے انکار نہیں ہے۔ لیکن میں پہلے بھی اپنے مقدور بھر اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی جد و جہد کرتا رہا ہوں اور آج بھی اس ذمہ داری کے احساس سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ اگر حالیہ بدنما واقعات جیسے حالات کا انسداد مقصود ہے تو اس باب میں اُن طلباء اور اساتذۂ دارالعلوم کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کے ساتھ ساتھ جو واقعتہً آئینی ضوابط اور حدود شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں، یہ بھی لازم ہے کہ نظام دارالعلوم سے اس فساد انگیز اور فتنہ پرور عنصر کو پوری بے رحمی سے خارج کرنے کے اقدامات کیے جائیں جس کو میں نے اقرباء پروری اور سودے بازی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس سلسلہ میں میری تجویز ہے کم سے کم :-

(۱) پچھلے تین سال میں کیے جانے والے تقررات پر اس نقطۂ نظر سے نظر ثانی کی جائے کہ وہ

کہاں تک دارالعلوم کی واقعی ضرورت کے لیے ہوئے؟ اور کہاں تک ان میں اہلیت کا وہ معیار پیش نظر رکھا گیا جس کی واقعی ضروری آسامی کے لئے ضرورت تھی۔

(۲) ان تین سالوں کے کم از کم ایسے تمام اخراجات کا بھی محاسبہ کیا جائے جن کے لئے پہلے سے کوئی مد موجود نہیں تھی، اور نئی مدیں پیدا کی گئی ہوں۔

(۳) ایک ایسے نائب مہتمم کا تقرر کیا جائے جس سے امید کی جاسکے کی مذکورۂ بالا نقطۂ نظر سے دارالعلوم کے حقیقی مفادات کی نگہبانی کر سکے گا۔

یہ مختصراً چند نکات ہیں، رفقائے کرام ان سے اتفاق فرمائیں تو ان سے اور بھی تفصیلات نکل سکتی ہیں"

شوریٰ کا یہ اجلاس ۲۷، ۲۸ رذی قعدہ ۱۳۹۸ھ ۱۱، ۱۲ راکتوبر ۱۹۷۸ء کو ہوا تھا، مولانا علی میاں جب واپس تشریف لائے تو ان سے اجلاس کی کارروائی معلوم ہوئی میں نے ان سے اپنے خط کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ میں نے آپ کا خط اسی طرح ملفوف صدر جلسہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کو دیدیا تھا۔ انھوں نے اُسے پڑھا، اور پڑھ کر جیب میں رکھ لیا ——— میں نے پھر ان سے دریافت کیا کہ وہ خط تو ارکانِ مجلس کے نام تھا۔ کیا وہ سُنایا نہیں گیا؟ مولانا نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ مولانا نے ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ میرے علم میں یہ آیا تھا کہ آپ کا وہ خط مفتی صاحب نے مہتمم صاحب اور مولانا منت اللہ صاحب کو دکھایا، کسی اور رکن کو غالباً اس کے مضمون کا علم ہی نہ ہوا۔

مجھے یہ بات معلوم کر کے سخت تکلیف اور مایوسی ہوئی۔

مہتمم صاحب کے رویّہ میں حیرت انگیز تبدیلی:

اس اجلاس شوریٰ کے کچھ ہی دن کے بعد سے دہلی کے بعض اخبارات نے جو دارالعلوم کے میدان میں لڑی جانے والی دو فریقی لڑائی میں مہتمم صاحب کے فریق کے ترجمان ہیں، اس قسم کا پروپیگنڈا شروع کیا کہ دارالعلوم کے معاملات کے اصل ذمّہ دار اور مختار مہتمم صاحب ہیں، مجلس شوریٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں نے اور غالباً بیشتر ارکان نے اسے بچکانہ بات سمجھ کر اس پر کوئی توجہ نہ دی ——— دارالعلوم کے دستور اور روایت کی رو سے ہر سال محرم اور رجب یا شعبان میں مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانا مہتمم دارالعلوم کی ذمہ داری ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ محرم گذرا، صفر گذرا، ربیع الاوّل گذرا، ربیع الثانی گذرا اور مہتمم صاحب

کی طرف سے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس نہیں بلایا گیا۔ اس کے علاوہ انہی دنوں میں مہتمم صاحب نے ایک تحریری حکم نامہ کے ذریعہ اپنے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم اور مولانا انظر شاہ صاحب کو قائم مقام صدر مدرس بنا دیا، حالانکہ از روئے دستور اُس کا کوئی اختیار ان کو نہیں، صرف مجلس شوریٰ کو ہے تو بالآخر ہمیں یہ باور کرنا پڑا کہ ہمارے مہتمم صاحب نے اپنے ان نادان خوشامدیوں کا مشورہ قبول فرما لیا ہے۔

ہم سب ہی اپنی اپنی جگہ اس صورت حال اور اس کے نتائج کے بارے میں متفکر تھے۔

"مجلس شوریٰ کے جلسے" کے زیر عنوان دستور کی دفعہ ۱۹ ضمن د میں درج ہے کہ:۔

"مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے کوئی رکن تحریک کرے اور چھ ارکان تائید کریں، ایسی صورت میں ایسی تحریر مہتمم کے پاس پہنچنے پر مہتمم پر لازم ہوگا کہ بتعیین تاریخ اطلاعات جاری کرے، اگر ایسی تحریر جناب مہتمم صاحب کے پاس پہنچنے کے دو ہفتے کے اندر حضرت مہتمم صاحب انعقاد جلسہ کی کارروائی نہ کریں تو ممبر تحریک کنندہ کو حق ہوگا کہ وہ بتعیین تاریخ واظہار حالات ارکان مجلس شوریٰ کو جلسہ کیلئے دعوت دیدے۔"

چنانچہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور چھ دوسرے ارکانِ مجلس شوریٰ نے مہتمم صاحب کو خط لکھا کہ وہ مجلسِ شوریٰ کا اجلاس جلد سے جلد بلائیں، ورنہ دستور کی مذکورہ بالا دفعہ کی رو سے ہم خود اجلاس کا دعوت نامہ جاری کرنے پر مجبور ہوں گے۔ مہتمم صاحب نے اس خط کے بعد مجلس شوریٰ کے اجلاس کا دعوت نامہ جاری کر دیا۔ لیکن اجلاس کی تاریخ ڈیڑھ ماہ بعد کی رکھی۔ اس غیر ضروری تاخیر کے باوجود انتشار سے بچنے کے لئے اس تاریخ کو منظور کر لیا گیا —— لیکن جب یہ تاریخ قریب آئی تو پھر مہتمم صاحب نے اس کو مزید ۲۰ دن کے لیے ملتوی کرنے کی اطلاع ارکان کو دیدی اور معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب کا ارادہ آئندہ بھی اسی طرح ملتوی کرتے رہنے کا ہے —— تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب وغیرہ نے مہتمم صاحب کو لکھ دیا کہ اگرچہ ہم کو حق ہے کہ اس التوا رِ تاریخ کو قبول نہ کریں کیونکہ یہ جلسہ دراصل ہماری تحریک دعوت پر ہو رہا ہے، لیکن اس وقت ہم نے اس التوار کو منظور کر لیا ہے مگر آئندہ اگر آپ نے اس طرح التوار کیا تو ہم کو منظور نہ ہوگا۔ اور جلسہ اسی تاریخ (۳۰-۳۱ مئی) کو ہوگا —— چنانچہ مجلسِ شوریٰ کا یہ اجلاس ۳۰-۳۱ مئی ویکم جون کو منعقد ہوا۔

یہ اجلاس انتہائی غیر معمولی اور بہت سی وجوہ سے انتہائی نازک اجلاس تھا، اور الحمدللہ کہ مکمل

امن وسکون کی فضا میں منعقد ہوا اور تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوئے۔

آخر مئی کی مجلس شوریٰ | ۳۰ مئی کو شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا، اس عاجز ہی کو صدر منتخب کردیا گیا، ایجنڈے میں سب سے اہم مسئلہ چار وفات یافتہ ارکان کی جگہ نئے ارکان کا انتخاب تھا جو پہلے ہی دن سامنے آیا۔ میں نے عرض کیا کہ ایسے ارکان کا انتخاب کرلیا جائے جو دونوں گروپوں میں سے کسی سے وابستہ نہ سمجھے جاتے ہوں، سب حضرات نے اس کو تسلیم کرلیا، اور اس معیار کے مطابق میں نے جو چار نام پیش کئے، تمام ارکان نے اُن سے اتفاق کرلیا، ایک حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی، دوسرے جناب نواب عبیدالرحمٰن خاں شروانی (علی گڈھ) تیسرے جناب حاجی علاؤالدین صاحب (بمبئی) اور چوتھے مولانا محمد عثمان صاحب (دیوبندی)

دوسرا اہم مسئلہ مجلس کے سامنے یہ آیا کہ جب ایجنڈے کی ایک دفعہ کے تحت دارالعلوم کے نظام کو مضبوط و مستحکم بنانے کی تجاویز پر غور ہونے لگا تو مہتمم صاحب نے ایک تحریر پیش فرمائی جس میں اپنی کبر سنی اور قویٰ کے فطری ضعف کی وجہ سے اپنی موجودہ معذوریوں کا ذکر فرما کر لکھا تھا کہ:

"ان حالات و وجوہات کی بنا پر میری درخواست ہے کہ (دارالعلوم کے) داخلی نظم کی مسئولیت کا تعلق مجھ سے نہ رکھا جائے ...... کلیتہً نیابت اہتمام پر عائد کیا جائے"

مجلسِ شوریٰ نے مہتمم صاحب کی اس خواہش کے مطابق دارالعلوم کے تعلیمی، انتظامی مالی جملہ داخلی شعبہ جات کی ذمہ داری مددگار مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور دونائبین مہتمم مولانا نصیر احمد خاں صاحب مولانا محمد عثمان صاحب پر عائد کردی اور طے کردیا کہ مہتمم صاحب پر اب صرف دارالعلوم کے مسلک کی حفاظت و اشاعت اور دارالعلوم کے حلقۂ اثر کی توسیع کی ذمہ داری رہے گی۔

یہ دونوں تجویزیں اور ان کے علاوہ ساری تجویزیں مجلس شوریٰ کے اِس سہ روزہ اجلاس میں تمام ارکان کے اتفاق رائے سے طے ہوئیں[۱]

اس عاجز سے مہتمم صاحب کی ایک عجیب و غریب فرمائش | اس اجلاس کا ایک واقعہ جو عام حالات میں قابلِ ذکر نہیں تھا، اب نئے حالات میں میرے لیے اس کا ذکر کرنا ضروری ہوگیا ہے

---

[۱] مجلس شوریٰ کے اس سہ روزہ اجلاس کی پوری کارروائی اور تمام تجاویز دفتر دارالعلوم کی طرف سے پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع ہوچکی ہیں، دارالعلوم کے معاملات اور موجودہ اختلافات کو سمجھنے کیلئے اس کا مطالعہ ضروری ہے

اجلاس کے آخری دن صبح کی نشست کے ختم پر مہتمم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں، وہ مجھے ساتھ لیے مہمان خانہ کے اس کمرہ میں لے گئے جس میں مجلس شوریٰ کے ایک دوسرے محترم رکن کا قیام تھا، وہ صاحب اٹھنے لگے (غالباً اس لیے کہ مہتمم صاحب تنہائی میں مجھ سے گفتگو فرمائیں) مہتمم صاحب نے اُن سے فرمایا کہ آپ بھی تشریف رکھیں، اس کے بعد مہتمم صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے چار نئے ارکان منتخب کر لیے، ہماری ضرورت تھی کہ دیوبند سے فلاں صاحب کو بھی منتخب کیا جاتا (مہتمم صاحب نے ایسے صاحب کا نام لیا جن کو دارالعلوم سے نہ کوئی خاص دینی مناسبت ہے نہ علمی وہ قصبہ کے بس ایک دولتمند اور جتھہ دار آدمی ہیں) اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے بمبئی کے حاجی علاؤالدین صاحب کو منتخب کیا ہے، ابھی ان کو اطلاع بھی نہیں دی گئی ہے، آپ ان کی جگہ دیوبند کے اُن صاحب کو رکھ لیں —— میں مہتمم صاحب سے یہ بات سُنکر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا، اس وقت میں نے صرف اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا کہ ارکان کا انتخاب تو پرسوں ہو چکا ہے، اور پوری مجلس شوریٰ نے کیا ہے اور اس کی شہرت بھی ہو چکی ہے —— اب میرے یا آپ کے کسی کے بھی اختیار میں نہیں ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی کی جاسکے۔ اور نہ اس طرح کی تبدیلی کا کوئی جواز ہے۔

اس کے بعد مہتمم صاحب نے فرمایا کہ پچھلے دنوں یہاں جو ہنگامے ہوتے رہے ان میں تین صاحبان ہماری طرف سے خاص طور پر سینہ سپر رہے ایک مولوی سالم صاحب، دوسرے مولوی انظر شاہ صاحب تیسرے مولوی محمد عثمان صاحب۔ آپ نے مولوی عثمان صاحب کو تو دو انعام دیدے، رکن بھی منتخب کر لیا اور نائب مہتمم بھی بنا دیا۔ لیکن باقی دونوں کے لیے آپ نے کچھ نہیں کیا۔ میری گذارش ہے کہ آپ مولوی سالم کو نائب مہتمم بنا دیں اور مولوی انظر شاہ صاحب کو تدریس میں کوئی امتیازی منصب دیدیں۔

مہتمم صاحب کی زبان سے یہ فرمائش سُنکر بھی مجھے تعجب کے ساتھ افسوس ہوا۔ لیکن اُس وقت میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ میں کیا عرض کروں۔ جن محترم رکن شوریٰ کے کمرے میں اور ان کی موجودگی میں یہ گفتگو ہو رہی تھی، انھوں نے میری مدد اور رہنمائی فرمائی (اور آہستہ سے فرمایا جسکو مہتمم صاحب ثقل سماعت کی وجہ سے نہیں سن سکے) کہ آپ یہ کہہ دیجیے کہ انشاء اللہ اس پر غور کریں گے میں نے اس وقت یہی کہہ دیا اور بات ختم ہو گئی۔

مجھے پہلے بھی کئی تجربوں سے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ کبر سنی کی وجہ سے مہتمم صاحب کا شعور بھی متاثر

ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات اُن سے ایسی باتیں اور ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جو قطعًا اُن کے شایانِ شان نہیں ہوتے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں یہ بات گزشتہ سال دو سال کے اندر پیدا ہوئی ہے پہلے نہیں تھی۔ اور ادھر چند مہینوں سے اس کیفیت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے جس وجہ سے اُن کے مفاد پرست حاشیہ نشین ان کو خوب استعمال کرتے ہیں۔

مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقدہ شوال

اسی اجلاس میں جو یکم جون ۱۹۸۱ء کو ختم ہوا۔ یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ دارالعلوم میں باہمی اختلاف خلفشار اور کش مکش کی جو انتہائی ناگفتہ بہ فضا پیدا ہو گئی ہے اس کو ختم کرنے کی تجاویز پر غور کرنے اور اس سلسلہ میں ضروری فیصلے اور اقدامات کرنے کے لئے، ماہ شوال میں ایسے وقت جب حضراتِ اساتذہ اور طلبہ موجود ہوں، مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہو، اسکے لیے ۱۰ شوال کی تاریخ بھی طے کر دی گئی تھی، چنانچہ یہ اجلاس مقررہ وقت پر ہوا۔

مہتمم صاحب کی پھر وہی فرمائش اور میرا جواب

یہ عاجز ۹ شوال کو مغرب کے قریب دارالعلوم پہنچ گیا۔ ـــــ نماز مغرب کے بعد ہی حضرت مولانا محمد طیب صاحب میرے پاس تشریف لائے اور صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا انظر شاہ صاحب کے بارہ میں جو کچھ انھوں نے اس سے پہلی مجلسِ شوریٰ کے آخری دن تنہائی کی گفتگو میں فرمایا تھا اور جو اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، وہ انھوں نے مجھے یاد دلایا اور قریب قریب انہی الفاظ میں پھر وہی فرمائش کی جن الفاظ میں پہلے کی تھی ـــــ اب میں جواب سوچ چکا تھا ـــــ میں نے عرض کیا کہ مہتمم دارالعلوم ہونے کے علاوہ آپ کی ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ آپ عالمِ دین بھی ہیں اور جماعت میں اس وقت سب سے بڑے ہیں اور صاحبِ ارشاد شیخ ہیں، آپ انہی دونوں حیثیتوں سے مجھے بتائیں کہ اگر فیما بینی و بین اللہ ایک بات کو میں غلط اور دارالعلوم کے حق میں خیانت سمجھوں تو کیا میرے لیے جائز ہو گا کہ اپنے کسی محترم بزرگ کے فرمانے پر اس کو کروں؟ واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے علم و یقین کے مطابق اس کو صحیح نہیں سمجھتا ـــــ اس کے بعد میں نے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کے بارے میں کچھ عرض کرنا تو بالکل مناسب نہیں سمجھا البتہ مولانا انظر شاہ صاحب سے متعلق میں نے مجلسِ شوریٰ کے ایک ایسے محترم رکن کا خط مہتمم صاحب کو دکھلایا جو میرے اندازے کے مطابق تمام ارکانِ مجلس میں مہتمم صاحب کے سب سے زیادہ حامی اور معتمد ہیں، اس خط میں انھوں نے مولانا انظر شاہ صاحب کے بارہ میں اپنی جس رائے کا اظہار فرمایا تھا، ـــــ میرے

علم میں بھی اُس سے زیادہ کچھ نہیں تھا ——— (یہ خط میرے پاس تھا اور ہے)

میرے اس جواب کے بعد مہتمم صاحب نے اپنی فرمائش پر اصرار تو نہیں فرمایا لیکن اتنا پھر بھی فرمایا کہ آپ اس پر غور کریں میں اس کو ضروری سمجھتا ہوں۔

مجلس شوریٰ کی کارروائی اگلے دن ۱۰ر شوال صبح سے مجلسِ شوریٰ کی کارروائی شروع ہوئی جو تین دن جاری رہی، اس اجلاس کا صدر بھی اس عاجز ہی کو بنایا گیا تھا۔ پہلے دن اور دوسرے دن بھی تجاویز سے متعلق تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوتے رہے ——— دوسرے دن ۱۱ر شوال (۱۲ر اگست) کو بعد ظہر دارالعلوم کے تمام تحتانی و فوقانی درجات کے اساتذہ کا اجتماع مہمان خانہ میں ہوا اس کا موضوع ہی باہمی اختلافات و خلفشار کو ختم کرانا تھا۔ اس میں مہتمم صاحب اور متعدد ارکانِ شوریٰ نے تقریریں کیں سب سے زیادہ موثر اور مبسوط تقریر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمائی اس کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ ——— اس قسم کے اختلافات کے ختم کرانے کے دو طریقے سوچے جا سکتے ہیں ایک یہ کہ کسی مسلمہ فریقین حکم یا پنچایت کے سامنے فریقین اپنی شکایتیں اور الزامات پیش کریں اور ان کے جوابات اور جوابی الزامات پیش ہوں، ظاہر ہے کہ اس سے اختلافات کبھی ختم نہ ہوں گے بلکہ دلوں کے زخم اور گہرے ہو جائیں گے ——— دوسرا طریقہ اختلاف و خانہ جنگی ختم کرنے کا وہ ہے جو قرن اوّل میں سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنایا تھا حضرت علی مرتضیٰ رض کی شہادت کے بعد وہ بلاشبہ خلیفۂ راشد تھے، ان کے ساتھ لڑنے والی فوج بھی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے انھوں نے محسوس کیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا جو سلسلہ چل رہا ہے، اُس سے دین کو اور امت کو صرف نقصان پہنچتا ہے اور اسکے جاری رکھنے سے کسی خیر کی امید اب نہیں ہے تو انھوں نے بس اللہ کی رضا اور دین و امت کی خیر خواہی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر لیا کہ اختلاف و خانہ جنگی کے اس سلسلہ کو بہر حال ختم ہونا چاہئے ——— انھوں نے اس کو قطعاً نظر انداز کر کے کہ کون فریق حق پر ہے اور کون ناحق پر خود پہل کر کے حضرت معاویہ کو صلح کا پیام بھیج دیا، انھوں نے اسی جذبہ کے ساتھ صلح کے لیے بڑھا ہوا حضرت حسن کا ہاتھ پکڑ لیا ——— اس طرح باہمی اختلاف اور خانہ جنگی کا دور ختم ہو کر امت کی وحدت و یگانگت کا نیا مبارک دور شروع ہو گیا، اور پوری امت نے اس کو سیدنا حضرت حسن کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا۔

فی الحقیقت اس طرح کے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ دونوں فریق ماضی کی

باتوں کو نظر انداز کر کے بلکہ بھلا کے محبت و یگانگت کا نیا دور شروع کرنے کا فیصلہ کریں۔

حضرات اساتذہ نے اسی مجلس اور اسی نشست میں سید حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اس سنت کو اپنانے کا فیصلہ اور اعلان فرمایا ــــــ اساتذہ کے ایک حلقہ کی طرف سے مولانا وحید الزماں صاحب نے اور دوسرے حلقہ کی طرف سے مولانا محمد سالم صاحب نے تقریر فرمائی اور بہت ہی اچھے جذبات اور عزائم کا اظہار فرمایا، دونوں حضرات نے (سب کو گواہ بنا کر جس میں اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور اس کے فرشتے بھی شامل ہیں) اعلان فرمایا کہ اب تک کے اپنے اختلافات کو ہم نے ختم کر دیا اور دفن کر دیا ــــــ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی تقریروں نے ہم سب کو بہت ہی مطمئن اور مسرور کیا۔ اور ہم نے اس کو اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم سمجھا اور شکر ادا کیا۔

مولانا معراج الحق صاحب کی صدر مدرسی کی تجویز

اتحاد و مصالحت کی اس خوشگوار فضا کو دیکھ کر اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس فضا کو مزید مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے کوئی ایسا فیصلہ اور اقدام بھی ہونا چاہیے جو اس کا عملی ظہور و ثبوت ہو کہ واقعی اب اختلاف اور گروپ بندی کو ختم اور دفن کر دیا گیا ہے اور ہر فریق مطمئن ہے، اور اس مجلس میں جو کچھ ہوا ہے وہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں میرے ذہن میں یہ تجویز آئی کہ دار العلوم میں طویل مدت سے صدارت تدریس کا منصب خالی ہے، اور موجودہ بڑے اساتذہ میں مولانا معراج الحق صاحب اپنی صلاحیت و اہلیت اور قدامت نیز اس وجہ سے کہ دار العلوم کے قریب قریب تمام موجودہ اساتذہ اُن کے شاگرد ہیں، اس منصب کے اہل و مستحق ہیں اور گذشتہ اختلافی فضا ہی کی وجہ سے اس منصب پر ان کا تقرر نہیں ہو سکا تھا ــــــ تو اب جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ اختلافی فضا اور گروپ بندی ختم ہو گئی ہے تو اس منصب پر ان کا تقرر ہو جانا چاہیے، یہ باہمی اختلاف اور گروپ بندی کے خاتمہ کی علامت بھی ہو گا ــــــ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے اُس وقت اپنا خیال شوریٰ کے کسی بھی رکن پر ظاہر نہیں کیا ــــــ اُسی رات کو (۱۱-۱۲ شوال کی درمیانی رات کو) مغرب و عشاء کے درمیان حضرت مہتمم صاحب میرے پاس تشریف لائے ــــــ اور جو بات دو دن پہلے پہلی ملاقات میں انھوں نے مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا انظر شاہ صاحب کے بارہ میں مجھ سے فرمائی تھی۔ تقریباً انہی الفاظ میں پھر فرمائی، (مجھے یقین ہے کہ انھیں یہ بات بالکل یاد نہیں رہی کہ پرسوں ہی میں یہ بات کر چکا ہوں اور میرا جواب بھی ان کو یاد نہیں رہا، ورنہ وہ نہ فرماتے) میں نے اس وقت صرف اتنا عرض کیا کہ آپ دُعا فرمائیں، کہ

کے جس میں دارالعلوم کے لیے خیر ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے میرا شرح صدر فرمادے، انشاء اللہ میں خود بھی دُعا کروں گا ـــــ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ میری ایک رائے یہ ہے کہ اب جب کہ اختلاف کی فضا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ختم ہوگئی ہے اور وحدت ویگانگت کا نیا دور انشاء اللہ شروع ہوگا، تو صدارت تدریس کے منصب پر مولانا معراج الحق صاحب کا تقرر کر دیا جائے، اس سے انشاء اللہ اتحاد مضبوط و مستحکم ہوگا۔ مہتمم صاحب نے فرمایا ہاں وہ اس کے اہل ہیں، لیکن اسی کے ساتھ پھر فرمایا کہ آپ مولوی سالم اور مولوی انظر شاہ کے بارے میں بھی ضرور طے کر دیجیے ـــــ میں نے خیال کیا کہ مہتمم صاحب ایسے حال میں ہیں کہ ہمیں اُن کو معذور سمجھنا چاہیئے۔

اس کے بعد ۱۲ رشوال کی صبح کو مجلسِ شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا، میں نے مولانا معراج الحق صاحب کی صدارتِ تدریس کے بارہ میں اپنا خیال عرض کیا، متعدد ارکان نے کہا کہ یہ بہت ہی مناسب ہوگا، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے اختلاف فرمایا اور پچھلے دنوں جو اختلافی فضا رہی اس کا حوالہ دیا، مولانا حکیم محمد زماں صاحب نے بھی اسی بنیاد پر اختلاف فرمایا۔ مہتمم صاحب نے فرمایا کہ اگر مولانا معراج صاحب کی صدارت تدریس کے ساتھ مولانا محمد سالم صاحب کی نیابتِ اہتمام اور مولانا انظر شاہ صاحب کے لیے نیابت صدارت تدریس کا بھی فیصلہ کیا جائے تو مجھے یہ منظور ہے ورنہ منظور نہیں ہے اور میں اختلافی نوٹ لکھوں گا ـــــ دیر تک اس موضوع پر گفتگو جاری رہی اور رائے کا اختلاف ختم نہیں ہو سکا، تو میں نے صدر کی حیثیت سے عرض کیا کہ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ دارالعلوم کے دستور اور رواج کے مطابق ارکان سے رائے لی جائے اور بات ختم کی جائے تاکہ وقت ضائع نہ ہو ـــــ اس موقع پر مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ میں رائے شماری میں حصہ نہیں لوں گا، اور یہ فرما کر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے (حالانکہ ان کی اختلافی رائے پورے دلائل کے ساتھ معلوم ہوگئی تھی)، بہرحال اس عاجز نے حضراتِ ارکان سے اظہارِ رائے کے لیے عرض کیا، اس مجلس شوریٰ میں کل ۱۴ ارکان شریک تھے، ان میں سے دس نے صدارتِ تدریس کے منصب پر مولانا معراج صاحب کے تقرر کی تائید کی ـــــ اس طرح تجویز منظور ہوگئی اور مولانا موصوف صدر مدرس قرار پاگئے۔ مہتمم صاحب نے جیسا کہ فرمایا تھا۔ اختلافی نوٹ بھی لکھا جس کا حاصل یہی ہے کہ اگر مولانا معراج الحق صاحب کو صدر مدرس بنایا جائے تو مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم اور مولانا انظر شاہ صاحب کو نائب صدر مدرس بھی بنایا جائے۔

مجھے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ مہتمم صاحب کا یہ اختلافی نوٹ (جس کی نقل میرے پاس محفوظ ہے) قطعاً ان کے شایانِ شان نہیں ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ کبر سنی کی وجہ سے ان کا شعور کس حد تک متأثر ہو چکا ہے۔

اس دن (۱۲ر شوال) کے اجلاس میں متعدد اور تجاویز بھی منظور ہوئیں اور سب اتفاق رائے سے طے ہوئیں ــــ اجلاس بظاہر بخیر و خوبی ختم ہوگیا۔ حسب ضابطہ مجلس کی پوری کارروائی لکھی گئی اور صدر جلسہ کی حیثیت سے میں نے اس پر تصدیقی دستخط کیے۔ اور اگلے دن میں دیوبند سے لکھنؤ کے لیے روانہ ہوگیا۔

مہتمم صاحب کا نیا رُخ شوال کی اس مجلسِ شوریٰ کے موقع پر خاص کر نجی گفتگوؤں میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مہتمم صاحب کی انتہائی خواہش ہے کہ ان کے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم بنا دیا جائے (تاکہ آئندہ وہ ان کی جگہ مہتمم کی جگہ پر آجائیں) بلاشبہ مہتمم صاحب کی یہ خواہش ایک فطری خواہش ہے، جس سے مفاد دارالعلوم کے پیش نظر دیانت داری سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے کسی کو ہدف ملامت نہیں بنایا جاسکتا[1] ــــ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں انھوں نے بعض مصالح کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا کہ اپنے بعد کے لیے اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیں اور لوگوں سے اس کے لیے بیعت لے لیں ــــ لیکن معلوم ہے کہ جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ بات آئی تو انھوں نے فرمایا "سنۃ کسریٰ وقیصر لا سنۃ ابی بکر و عمر" (یعنی یہ طریقہ شاہانِ فارس و روم کسریٰ اور قیصر کا رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں ابوبکر و عمر کا یہ طریقہ نہیں ہے) اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس اجتہادی غلطی کا امت کو کیسا خمیازہ بھگتنا پڑا[2]

---

[1] اور اگر مولوی سالم صاحب اپنے والد ماجد کی حمایت و دفاع کا فریضہ انجام دیتے ہیں (جس کو افسوس ہے کہ دارالعلوم کی حمایت و دفاع سے تعبیر کیا جا رہا ہے) اور اس بنا پر مہتمم صاحب کو اگر انھیں ان کی اس سعادت مندی کا صلہ دینے کی خواہش اور تقاضا ہے تو یہ داعیہ بھی فطری ہے اور انھیں اس کا پورا حق ہے کہ وہ اپنی ذاتی مملوکہ اشیاء میں سے جو چاہیں انھیں عنایت فرما دیں لیکن دارالعلوم کے اہتمام کیلئے ان کے انتخاب کے سلسلہ میں مثبت یا منفی کسی فیصلہ کی بنیاد اس پر قائم نہیں کی جاسکتی ــــ [2] حضرت معاویہ کے بارہ میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ یزید کے متعلق جانتے تھے کہ وہ اس منصب کے لیے قطعاً نا اہل ہے، اس کے باوجود انھوں نے اس کو امت پر مسلط

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بہر حال مجلس شوریٰ کے اس اجلاس کے موقع پر ایک طرف یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم بنانے کی مہتمم صاحب کو کس قدر غیر معمولی خواہش ہے اور وہ اس سے کس درجہ مغلوب ہیں ـــــ دوسری طرف یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ مجلسِ شوریٰ کے موجودہ ۲۰ - ۲۱ - ارکان میں سے ۵ - ۶ سے زیادہ وہ اس کی تائید کی امید نہیں کر سکتے، باقی تمام ارکان اس کو اصولاً غلط اور دارالعلوم کے لیے مضر سمجھتے ہیں ـــــ اور ان میں سے کون ارکان ہیں؟ ـــــ (۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۲) حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری ۔ (۳) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی (۴) جناب مولانا حکیم افہام اللہ صاحب (ریٹائرڈ پرنسپل طبیہ کالج علی گڈھ) (۵) جناب نواب عبیدالرحمٰن شروانی (علی گڈھ) (۶) جناب الحاج علاؤالدین صاحب (بمبئی) (۷) اور یہ عاجز محمد منظور نعمانی ۔ (اور جہاں تک مجھے معلوم ہے مولانا سعید احمد اکبرآبادی صاحب کا بھی یہی موقف ہے)

ان آٹھ میں سے کسی کے متعلق بھی کوئی شخص جب تک صریح جھوٹ بولنے کا ارادہ نہ کرے، یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان میں سے کسی کو بھی حضرت مہتمم صاحب یا ان کے گھرانے سے خاص اختلاف اور مخاصمت ہے۔ یا اُن کے مخالف گروپ سے (جس کو مولانا اسعد میاں کا گروپ کہا جا سکتا ہے) کوئی خاص ربط و تعلق ہے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کو اور اسی طرح رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو تو اکثر ملی و اجتماعی معاملات میں مولانا اسعد میاں کے رویّہ سے سخت اختلاف رہا ہے اور اب بھی ہے ـــــ اگرچہ ہم نہ مہتمم صاحب کی نیت پر شبہ کر سکتے ہیں نہ مولانا اسعد میاں کی نیت پر ـــــ نیتوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ۔

اسی طرح حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ ہمارے دور کے علمائے ربانیین اور علمائے آخرت میں سے ہیں، دونوں صاحب ارشاد بزرگ ہیں، دونوں کا تعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے سلسلہ سے ہے، یہی حال مولانا حکیم افہام اللہ صاحب کا ہے وہ بھی تھانوی سلسلہ سے منسلک و لی اللّٰہی ہیں ان حضرات کے بارہ میں اور اسی طرح جناب عبیدالرحمٰن شروانی صاحب اور حاجی علاؤالدین صاحب

(بقیہ حاشیہ صـ۳۶ کا) کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہاں اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اُس کے مقابلہ میں زیادہ اہل اور صالح تر افراد موجود تھے، اور حضرت معاویہؓ بھی اس بات سے ناواقف نہیں تھے، لیکن انھوں نے بنی امیّہ کی بعض کمزوریوں کے پیش نظر اسکو ضروری سمجھا ـــــ بلاشبہ یہ ان کی شدید اجتہادی غلطی تھی ـــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے:" انما اموالکم

کے بارہ میں بھی کون شبہ کرسکتا ہے، کہ ان کو مہتمم صاحب یا مولانا محمد سالم صاحب سے کوئی مخاصمت، یا مولانا اسعد میاں سے کوئی خاص رابطہ ہے —— یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ یہ سب حضرات وہ ہیں جن کا دارالعلوم سے کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں، اُن کا کوئی عزیز قریب بھی دارالعلوم میں ملازم نہیں اور یہ چاہتے بھی نہیں کہ اُن کے کسی عزیز قریب کو دارالعلوم میں ملازمت ملے۔

ہاں اِن کے علاوہ مجلس کے ارکان میں جس طرح چند وہ حضرات ہیں جن کو مہتمم صاحب کے گروپ سے وابستہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح قریبًا اتنی ہی تعداد میں وہ ارکان بھی ہیں جن کا مولانا اسعد میاں سے تعلق ہے اور وہ ان سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں —— لیکن اوپر جن ۷-۸ ارکان کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق کسی گروپ اور کسی شخصیت سے بھی نہیں ہے۔ ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں وہی رائے دیں گے جس کو وہ فیما بینہم و بین اللہ صحیح اور دارالعلوم کے مفاد میں سمجھیں گے خواہ کسی گروپ کے خلاف ہو۔

بہرحال شوریٰ کی اس مجلس شوریٰ کے بعد مہتمم صاحب کے حلقہ نے یہ اندازہ کر لیا کہ موجودہ مجلس شوریٰ سے امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ مولانا محمد سالم صاحب کو نیابت اہتمام پر فائز کر دے —— تو جیسا کہ معلوم ہوا ہے اس حلقہ کے کچھ ایسے لوگوں نے جو خالص دنیا دارانہ مقدمہ بازی کا ذہن رکھتے ہیں مہتمم صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ مجلسِ شوریٰ کو توڑنے کا اعلان کر دیں اور اپنے اعتماد کے لوگوں کی نئی مجلسِ شوریٰ اور دارالعلوم کا نیا دستور بنائیں ——

معلوم ہوا ہے کہ ۴ر اکتوبر کو دہلی میں نمائندہ اجتماع بلایا گیا ہے وہ اسی مہم کا آغاز ہے۔ اگر اس طرح کی کوئی کارروائی کی گئی تو ظاہر ہے کہ نہ وہ شرعًا و اخلاقًا جائز ہوگی اور نہ قانونی لحاظ سے —— صورتِ حال یہ ہے کہ دارالعلوم ایک وقف ہے اور مجلسِ شوریٰ بحیثیت مجموعی اس کی شرعی و قانونی متولی ہے۔ اور مہتمم صاحب (شخصی حیثیت سے محترم ہونے کے باوجود) اس کے باتنخواہ ملازم ہیں ——

آخر میں چند وضاحتیں

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس وقت دارالعلوم کے قضیہ میں اصل نقطۂ اختلاف صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کی نیابت اہتمام کا مسئلہ ہے۔ اسکے

علاوہ مجلس شوریٰ یا اس کے بعض ارکان کے متعلق جو کچھ کہا یا لکھا جا رہا ہے اس کی حیثیت حیلوں بہانوں کے سوا کچھ نہیں ہے — تاہم میں اس سلسلہ میں بھی چند وضاحتیں مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ دارالعلوم کے دستور و آئین کی رو سے مجلس شوریٰ کا فیصلہ خواہ متفقہ ہو یا ارکان کی اکثریت کی رائے سے بہرحال قطعی ہے، اس کی تعمیل و تنفیذ مہتمم دارالعلوم کے اختیار کی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کے فرائض میں ہے۔ (دستور دیکھا جا سکتا ہے)، اگر مہتمم مجلس کے کسی فیصلہ کی تعمیل و تنفیذ نہ کرے تو مجلس شوریٰ اس سے مواخذہ کر سکتی ہے۔

۲۔ دارالعلوم کا دستور و آئین موجودہ مجلس شوریٰ کا وضع کردہ نہیں ہے یہ اب سے قریباً ۳۵ سال قبل والی مجلس شوریٰ نے وضع اور منظور کیا تھا، اس وقت مجلس کے ارکان میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا احمد سعیدؒ، حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق کھٹورویؒ حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور بحیثیت صدر المدرسین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے اکابر تھے، — اس دور کے ارکان میں سے جہاں تک میرے علم میں ہے اب صرف دو حیات ہیں، ایک، حضرت مولانا محمد طیب صاحب (جو اس وقت بھی بحیثیت مہتمم شوریٰ کے رکن تھے) اور دوسرا یہ عاجز۔ ہم دونوں نے اس وقت اس پر دستخط کیے تھے۔ اس لیے بالخصوص اس عاجز کے لئے اور حضرت مہتمم صاحب کے لیے تو اس دستور سے انحراف کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے — ہاں! دستور ہی نے مجلس شوریٰ کو یہ حق دیا ہے کہ وہ وقت کے تقاضے اور مصلحت کے مطابق اس میں ترمیم و تنسیخ کر سکتی ہے۔

۳۔ مہتمم صاحب نے اپنے بعض حالیہ بیانات اور خطوط میں یونٹ ٹرسٹ سے متعلق مجلس شوریٰ کی تجویز کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ جیسے وہ کوئی بڑا گناہ ہے اور اس کے ذمہ دار اور محرک وہ ارکان شوریٰ ہیں جن کو وہ مخالف گروپ سے تعبیر کرتے ہیں — حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تجویز پہلی دفعہ اکتوبر ۱۹۸۰ء کی شوریٰ میں منظور ہوئی تھی (جس میں یہ عاجز شریک نہیں تھا) اس کی صدارت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے کی تھی، اور جیسا کہ معلوم ہوا تھا انھوں نے ہی یونٹ ٹرسٹ کے مسئلہ کو شوریٰ میں پیش کیا تھا، باقی سب ارکان نے (مع مہتمم صاحب کے) اس سے اتفاق کر لیا تھا اسی وقت یہ معلوم ہوا تھا کہ یونٹ ٹرسٹ کا کوئی ایسا نظام ہے جس میں رقم محفوظ کر دینے کے بعد اسے نکالنا آسان نہیں رہتا، مجلس شوریٰ کے ارکان کا احساس تھا کہ اجلاس صد سالہ کے بعد قریباً ستر

لاکھ کی دارالعلوم کی جو رقم بینکوں میں ہے اور اس کا ہر وقت نکالنا آسان ہے، مہتمم صاحب کی کبر سنی اور ان کے حاشیہ نشینوں کے طرز عمل کے پیشِ نظر اس کو اس طرح محفوظ ہو جانا چاہئے کہ وہ بآسانی نہ نکالی جا سکے اور یونٹ ٹرسٹ کے بارے میں اس وقت تک کی معلومات یہی تھیں کہ وہ مضاربت کی ایک شکل ہے اور شرعًا جائز ہے[۱] ـــــــ اسی لئے اکتوبر کی مجلس شوریٰ میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا اور مہتمم صاحب نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا، بلکہ یہ تجویز معمول کے مطابق رجسٹر کارروائی میں بھی درج ہوئی اور "المصدق" کی حیثیت سے مہتمم صاحب نے اس پر دستخط فرمائے۔

اس وقت بھی بعض ارکان کو یہ اندیشہ تھا کہ مہتمم صاحب کے بعض متعلقین اس تجویز کو اپنے غلط ارادوں کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر چلنے نہیں دیں گے ـــــ اور مہتمم صاحب کو اس کے لئے استعمال کریں گے۔ افسوس ہے کہ یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور نہ صرف یہ کہ اس تجویز کی تعمیل نہیں کی گئی بلکہ اس عدم تعمیل کو مقدس شرعی لباس پہنا دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ گذشتہ مئی ۸۱ء کی مجلس شوریٰ میں جب یہ بات سامنے آئی کہ یونٹ ٹرسٹ سے متعلق اکتوبر ۸۰ء کے اجلاس میں منظور شدہ تجویز کی تعمیل نہیں ہوئی ہے تو پھر اس تجویز کا اعادہ کیا گیا۔ اس موقع پر بھی مہتمم صاحب نے اختلاف نہیں فرمایا اور نہ کوئی اختلافی نوٹ لکھا۔ اور معمول کے مطابق اس مجلس کی روئداد پر بھی تصدیقی دستخط فرمائے (یہ روئداد چھپ بھی چکی ہے) اسی طرح شوال (اگست ۸۱ء) کی مجلس میں پھر یہ بات سامنے آئی کہ اب تک اس تجویز پر عملدرآمد نہیں ہوا، چنانچہ پھر اس بارے میں مجلسِ شوریٰ نے تاکیدی تجویز منظور کی اور قطعی طور پر طے کر دیا کہ ۳۱ اگست تک اس پر عملدرآمد ہو جانا چاہئے ـــــ اس موقع پر بھی مہتمم صاحب نے کوئی اختلافی نوٹ تحریر نہیں فرمایا جبکہ اسی مجلس میں انھوں نے مولانا معراج الحق صاحب کے لئے صدارتِ تدریس کی تجویز پر اختلافی نوٹ لکھنا ضروری سمجھا (۴۱)۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دارالعلوم کے فاضل اور مجلسِ شوریٰ کے قدیم رکن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیاوی ثروت سے بھی نوازا ہے، وہ پابندی سے دارالعلوم کی مجالس شوریٰ اور عاملہ میں شرکت فرماتے ہیں اور آمد و رفت کے مصارف کبھی دارالعلوم سے نہیں لیتے، مجلسِ شوریٰ کا جو اجلاس گذشتہ مئی میں ہوا تھا جس میں مہتمم صاحب نے اپنی کبر سنی اور معذوریوں کی بناء پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی درخواست

---

[۱] اس عاجز کو یونٹ ٹرسٹ کی قانونی تفصیلات کا علم نہیں ہے، اس لئے میں اب تک اس کے بارے میں

کی تھی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔) اس موقع پر اس عاجز اور چند دوسرے ارکان نے اُن سے اصرار کیا کہ وہ دارالعلوم میں مددگار مہتمم کا منصب قبول کر لیں تاکہ مہتمم صاحب کے ضعف پیری اور اس کے سبب شعور کے زیادہ متاثر ہو جانے کی وجہ سے دارالعلوم کے نظام خاص کر مالیات میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کا کچھ انسداد ہو سکے۔ انھوں نے بہت معذرت کی لیکن ہم لوگوں نے ان کو مجبور کیا اور بالآخر وہ آمادہ ہو گئے اور انھوں نے یہ منصب قبول کر لیا۔

وہ دارالعلوم سے نہ کوئی تنخواہ لیتے ہیں نہ الاؤنس، صرف لوجہ اللہ خدمت کرتے ہیں جب کہ بدقسمتی سے ہمارے دارالعلوم میں یہ چیز بالکل عنقا ہو گئی ہے۔ حالانکہ ہمارے اکابر و اسلاف کا یہی امتیاز تھا) ــــ افسوس ہے کہ مہتمم صاحب کے کچھ قریبی لوگ اور حاشیہ نشین انھیں کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وجہ یہاں بھی یہی ہے کہ ان کے اس عہدے پر ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے دارالعلوم کی مالیات میں ناجائز تصرفات آسان نہیں رہتے۔

آخر میں گذارش ہے کہ میں نے اس طویل بیان میں بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو میری عادت مزاج اور اصول کے خلاف ہیں اور مجھے اپنے اوپر جبر کر کے یہ ناخوشگوار کام کرنا پڑا ہے، کیونکہ صفائی کے ساتھ ان حقیقتوں کا اظہار اب میرے لیے فرض ہو گیا تھا، ــــ امت کی اجتماعی مصلحت کو کسی فرد یا چند افراد کے احترام و لحاظ پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اگر اس میں میرے نفس کا کوئی حصہ شامل ہو گیا ہو تو مجھے معاف فرما دے اور اپنی رحمت سے میری ان معروضات کو دارالعلوم کے حق میں رشد و خیر کا وسیلہ بنائے ــــ

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

معیار کمال

آدمی کے نماز و روزہ کو نہیں بلکہ اس کی دانائی اور راست بازی کو دیکھنا چاہیے۔ (حضرت فاروق اعظمؓ)

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب!!

مرتب مولانا افضال الٰہی دیوبندی

مکاتیب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ

مکتوب (۱)

بنام حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہٗ

الحمد للہ علیٰ کل حال واعوذ باللہ من حال اہل النار

کہف الغرباء وملاذ الضعفاء مد فیوضکم ودامت برکاتکم، خاکپائے مکرمین تسلیم مسنون کے بعد ملتمس ہے۔ اس وقت بحمداللہ آٹھ نو خط اپنے مکرمین اور مخلصین کے اکٹھا مجھ کو ملے۔ سب کی خیریت معلوم ہو کر مسرت ہوئی والحمد للہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یہ جملہ خطوط محرم کے لکھے ہوئے تھے جو مجھ کو جمادی الاولیٰ میں ملے اور یہ عذر کیا گیا کہ یہ خطوط لندن گئے تھے وہاں سے اب آئے اس لئے تاخیر ہوگئی ـــــ اپنے خیراندیش احباب کے حکم کو رد کرنا کبھی پسند نہیں کیا۔ بالخصوص جس کا منشاء محض ہمدردی احقر ہو بالخصوص جناب کا ارشاد کہ جس کا خاص اور ممتاز اثر اپنے اوپر محسوس کرتا ہوں اس لئے عرض ہے کہ جناب مطمئن رہیں انشاء اللہ تعالیٰ سب کو نعم اور تسلیم میں جواب دوں گا مگر سوچتا ہوں کہ جناب کے مؤثر ارشاد توجہ آمیز کا کیا جواب عرض کروں سو یہی عرض مناسب سمجھتا ہوں کہ اس ناکارہ کی نسبت اگر کوئی امر قابلِ استفسار آئندہ معلوم ہو تو مجھ سے دریافت کرنے کی حاجت نہیں جناب کی رائے میں جو امر احقر کے مناسب حال ہو وہ انشاء اللہ مجھ کو مسلّم ہوگا سب احباب کو

لہ حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی مالٹا کے متعلق دارالعلوم دیوبند کا وفد لفٹننٹ گورنر صاحب کے سامنے پیش ہونے کے بعد متعلقین دارالعلوم اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (متوفی ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ) اور حضرت شیخ الہندؒ کے عزیزوں نے جُدا جُدا خطوط لکھ کر لفٹننٹ صاحب کے سکریٹری بزن صاحب کی معرفت روانہ کئے تھے جن کا مشترک مضمون (حضرت شیخ الہندؒ کے تصلب فی الدین اور استقامت اور نفرت عن اعداء اللہ کو ملحوظ رکھ کر) اس استدعا پر مشتمل تھا کہ حکام سرکاری کے سوالات کے جواب میں ذرا سختی سے کام نہ لیں اور اگر کسی جائز شرط پر آزادی دی جائے تو اپنے احباب و متوسلین کی بے چینی اور قلق پر رحم فرما کر ضرور قبول فرمالیں

(بقیہ صـ۴۳ پر)

مطمئن کر دیجئے۔ میں کہاں رہنا پسند کرتا ہوں۔ دو دفعہ اس کے متعلق مجھ کو کچھ کہنے کی نوبت آئی ہے گو وہ بھی ارشاد مجیبین کے زیادہ مخالف نہ تھا مگر آئندہ کو انشاء اللہ ارشاد مکرمین کی حتی الوسع زیادہ پابندی کروں گا۔ واللہ یفعل مایشاء

جناب نے بہت فقرے ایسے تحریر فرمائے کہ پڑھنے سے محجوب ہوتا ہوں ان کا جواب کیا عرض کروں۔ بس جو تحریر فرمایا بر سر۔ ہاں اتنی گستاخی کرتا ہوں کہ جیسے ارشاد ارجع الی ربك الخ کا اتباع نہ کروں گا۔ ایسے ہی اذکرنی عند ربك کے امثال کے امتثال سے بھی معذور سمجھا جاؤں

حضرت اور جملہ مکرمین کی دعائے بہبودی دارین کا محتاج ہوں دگر ہیچ۔ احقر اپنے انھیں قدیمی مشاغل میں یہاں بھی مصروف ہے۔ آجکل دو سبق پڑھا لیتا ہوں اور ترجمہ کچھ کر لیتا ہوں۔ احزاب تک پہنچ گیا ہوں۔

میرے مخلصین رفقاء کا سب کا سلام و شوق قبول فرمائیے اور سب کے لئے دعاء خیر ضرور کیجیے۔

(بقیہ صفحہ ۴۲ کا) ہر شخص نے اپنے درجہ اور طرز کے موافق اس مضمون کو اصرار و تاکید سے عرض کیا تھا۔ برن صاحب نے لندن جاتے ہوئے حضرت شیخ الہند رح سے ملاقات کی مگر خطوط نہیں پہونچائے اور حضرت شیخ الہند نے نہایت استغناء اور لاپرواہی سے بلا کسی نرمی کے ان کے سوالات کے جواب دیئے۔ سکریٹری صاحب جوابات سے خوش نہیں ہوئے لیکن حضرت شیخ الہند رح کی قدر عالی کا اس ذہین شخص نے اندازہ کر لیا اور قیام مالٹا میں اپنی سفارش سے شیخ الہند کو بعض راحتیں اور سہولتیں پہونچائیں، خطوط کو لندن لے گئے اور خدا جانے کس قدر اہتمام سے کہاں کہاں ان کا مطالعہ اور ملاحظہ ہوا ہوگا۔ اور کتنے فوٹو لئے گئے ہوں گے کہ پانچ ماہ کے ماہ کے بعد حضرت شیخ الہند رح کے پاس پہونچے، شیخ الہند رح نے ایک جواب مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رح کو لکھا تھا حضرت ممدوح رح کی زندگی ہی میں ان کے پاس پہونچ گیا تھا۔ دوسرا منتظمین دار العلوم کو تحریر فرمایا تھا۔ دونوں خط درج ذیل ہیں۔ [۱] یعنی اگر بلا درخواست آزادی دی گئی تو قبول کرنے میں حجت نہ کروں گا اور اپنی طرف سے کوئی تدبیر نہ کروں گا۔ [۲] مشہور ترجمہ قرآن کریم از شیخ الہند رح جو علامہ شبیر احمد عثمانی رح (متوفی ۱۳ صفر ۱۳۶۹ھ) کے فوائد کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ [۳] مولانا عزیر گل صاحب کاکاخیل مدظلہ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح (متوفی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ) شہید مالٹا مولانا نصرت حسین صاحب رح (متوفی ۹ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ) مولانا وحید احمد مدنی رح (متوفی غرۂ رمضان ۱۳۵۶ھ)۔

جن کی وجہ سے ہر طرح کا اطمینان وراحت حق تعالیٰ نے عنایت فرمایا۔ ایسے موقعے مکرر پیش آئے کہ[1] اگر کل نہیں تو اکثر رفقاء بسہولت اس حالت سے نکل سکتے تھے مگر باوجود احقر کی تاکید کے کبھی ایک نے بھی اس کو منظور نہ کیا۔ بس یہاں فکر ہے تو انھیں حضرات کی طرف سے ہے اور اس ناکارہ کی رستگاری میں جو بڑا نفع نظر آتا ہے وہ بس یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے ان صاحبوں کو اپنے مامن میں پہنچائے اور ان کی وجہ سے ایک ناکارہ کا بھی انجام بخیر ہو۔

مکتوب (۲)

بنام حضرات منتظمین دارالعلوم دیوبند وغیرہم

گر بمانیم زندہ بردوزیم ✻ جامۂ کز فراق چاک شدہ
ور بمردیم عذر دلپذیر ✻ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

برادران و مکرمانم رزقکم اللہ خیراً وحفظکم ضراً وخیراً

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد عرض کرتا ہے۔ آپ حضرات کے آٹھ نو خط جو غالباً سب ۲۳ محرم اور ار نومبر کے لکھے ہوئے تھے بندہ کو سب کے سب ۲ مارچ کو ملے اور یہ عذر کیا گیا کہ تمہارے یہ خطوط لندن گئے تھے وہاں سے اب واپس آئے اس لئے تاخیر ہوئی۔ مسٹر برن صاحب غالباً ایک ہفتہ سے کم مالٹا میں قیام پزیر نہیں رہے اور اسی عرصہ میں انھوں نے مجھ سے اور میرے رفقاء سے بیانات لئے اور سب نے ان کے استفسارات کے جواب دیئے مگر صاحب موصوف نے حالات گذشتہ کے متعلق اکثر سوالات کئے تھے اسی کے مطابق جواب بھی دئے گئے۔ یہ امر جو آپ حضرات کے خطوط سے اب معلوم ہوا اس کا اصلاً تذکرہ نہیں آیا سو اس کا جواب آپ کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں یہ اللہ کو معلوم ہے کہ آپ تلک کب اور کیونکر پہنچے الغرض جو تاخیر ہوئی یا آئندہ ہو اس میں میں معذور ہوں

---

[1] شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حکیم نصرت حسین شہید مالٹا پر کوئی جرم عائد نہیں تھا یہ حضرات بآسانی رہائی حاصل کر سکتے تھے مگر انھوں نے حضرت شیخ الہند رح سے علیحدگی اختیار کرنی گوارہ نہیں کی۔ اور مولانا نصرت حسین صاحب تو اسی مالٹا کے زندان میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ خداوند تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

میری طرف سے قصور نہیں۔

آپ حضرات کی جملہ تحریرات کا خلاصہ دو امر سمجھا ہوں اوّل ہندوستان آنا منظور کر لوں دوسرے وہاں پہونچکر اپنے قدیمی مشاغل میں مصروف اور حسبِ طرز قدیم سیاسیات سے الگ تھلگ رہوں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ میرے مخلص مجھ سے دریافت کرنے سے پہلے ہی ہز آنر سے میری نسبت ان امور کا وعدہ بھی کر چکے ہیں۔ سو میرے مخلص جو میرے قدیم طرز و تعلقات سے واقف ہیں اُن کو میرا صرف ہاں یا نعم کہدینا ان کے اطمینان کے لئے بالکل کافی ہے اس کی حاجت نہیں کہ طویل مضمون لکھوں مگر تغیراتؔ کا ہجوم ہے اسلئے صرف اپنے مخلصین کے مزید اطمینان کیلئے اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ گو حدِ خرافت تک پہونچ چکا ہوں مگر اتنا خوب سمجھتا ہوں کہ دوستوں کا اس شان سے مجھ کو پھر ہندوستان میں بُلانا اور میرے جملہ افعال کی کفالت کرنا باہم مترادف ہیں۔ علیٰ ہذا میرا ہندوستان کی مراجعت کو قبول کرنا اور اپنے احباب کے متعلق تمام ان کی خیر اندیشیوں کو اپنے سر لینا دونوں مساوی ہیں

میں نے حاجت سے زائد لکھد یا کیونکہ الحمد للہ میرے مخاطب صحیح مخاطب ہیں یہ آپ حضرات کی جملہ تحریرات کا جواب ہے جو مجھ کو آپ کی پریشانی سے متأثر ہو کر دینا ضروری ہوا۔ اس کے بعد اتنی مختصر عرض اور ہے کہ جو کچھ در دسری آپ صاحبوں نے کی عالمِ سرّ و خفیات اس کی جزا آپ کو دے اس پر جو نتیجہ ہونا ہوگا ہو کر بات ایک طرف ہو جاوے گی اب آپ حضرات اور جملہ احباب اللہ پر نظر رکھیں اور ہرگز پریشان نہ ہوں۔ آپ کی پریشانی کا اثر اپنے اوپر پاتا ہوں ورنہ میں الحمد للہ ثم الحمد للہ اس وقت تک عافیت دارین کے ساتھ مطمئن ہوں کسی طرف نظر نہیں جاتی وہ قوی و قدیر جس کے حکم سے نار مشتعل بر د و سلام ہو جاوے کیا وہ مالٹا جیسی ارض بعد ار دنجضا ر کو کسی نالائق کے لئے ہندوستان کی برابر[۲] نہیں کر سکتا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔

---

[۱] اصل جواب اور غور کے قابل ہے ۱۲

[۲] مالٹا کی حالت اور کثرت معتقدین و احباب کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وفیات

شیخ القراء مولانا قاری محمد کامل صاحب افضل گڈھی

از مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

ولادت و تعلیم | آپ کی ولادت ۱۳۲۲ھ ہے، قصبہ افضل گڈھ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے، شیخ القراء حضرت قاری عبداللہ صاحب تھانوی ثم مراد آبادی (م ۱۳۶۳ھ) کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، قاری صاحب نے استاذ سے اولاً تجوید سیکھی، بعدہٗ قرارت سبعہ کی تکمیل کی، پھر ۱۳۴۲ھ میں الہ آباد جاکر استاذ اساتذۃ الہند حضرت قاری المقری عبدالرحمٰن صاحب مکی (م ۱۳۴۹ھ) سے قرارت عشرہ کی تکمیل کی

تدریس | تکمیل و فراغت کے بعد آپ بغرض تدریس سب سے پہلے مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ ضلع میرٹھ میں تقریباً ۱۳ تیرہ سال تک مسند قرارت پر متمکن رہے۔

جامعہ قاسمیہ مراد آباد | جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد سن تاسیس ۱۲۹۶ھ) پر ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل رہا۔ اس ادارے کو ہر فن کے مایۂ ناز رجال کا ریوم اوّل سے میسّر رہے جنھوں نے اسے بہمہ وجوہ خوب چمکایا اور اسے مرکزیت کا حامل بنائے رکھا، انھیں اعاظم رجال میں قاری صاحب مرحوم کے استاذ قاری عبداللہ صاحبؒ بھی تھے آپ کو قرارت سبعہ و عشرہ کے تمام ائمہ و رواۃ کے اختلافات و طرق ازبر تھے، فن پر عبور کامل تھا، قاری عبداللہ صاحبؒ کو حضرت قاری المقری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ کے بعد حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادیؒ سے بھی اجازت حاصل تھی، علوم تجوید و قرارت و رسم عثمانی میں بڑی قابل قدر تصنیفات آپکی یادگار ہیں

جامعہ قاسمیہ میں آمد | ۱۳۶۳ھ میں حضرت قاری عبداللہ صاحب مراد آبادی کے انتقال کے بعد جب جامعہ کی مسند قرارت خالی ہوگئی تو اس جگہ کیلئے نظر انتخاب آپ کے قابل فخر تلمیذ جناب مولانا قاری محمد کامل صاحب افضل گڈھی پر پڑی اور اندرکوٹ ضلع میرٹھ سے آپ کو شاہی مراد آباد بلالیا گیا۔

ذوق و انہماک | جناب قاری کامل صاحب بڑے ذی استعداد اور محنتی استاذ تھے۔ آپکے استاذ کو آپ پر ابتدا ہی سے اعتماد کامل تھا۔ استاذ مرحوم فنی قابلیت کی تعریفیں کیا کرتے تھے قرارت اور اس کے درس و تدریس سے آپکو اس قدر لگاؤ اور انہماک تھا کہ طالب علم جس وقت بھی درخواست کرتا آپ اس کا انکار نہ فرماتے، اوقات مدرسہ کے علاوہ فجر بعد اور عصر بعد بھی آپ درس دیتے تھے یہ سلسلہ آپ کی قیام گاہ پر بھی برابر جاری رہتا۔

آپ کی تالیفات | اپنے گرامی قدر استاذ کی طرح آپ نے بھی تجوید سے متعلق متعدد رسائل لکھے جن میں سے رسالہ باب الہمزہ، ملح القرآن، اشتباہ الصوت ضاد و واداور حفاظت قرآن قابلِ ذکر ہیں

آپ کے تلامذہ | جامعہ قاسمیہ میں طویل مدت تدریس کے دوران بیشمار لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ اور ایک بڑی تعداد ایسے حضرات کی بھی ہے جو مرتبہ کمال پر پہونچکر درس تدریس اور اشاعت قرآن کی عظیم خدمات میں مشغول ہیں مشہور تلامذہ میں سے چند نام بر وقت یاد آرہے ہیں یہ ہیں (۱) قاری عبدالسلام صاحب نجیب آبادی (عشرہ) (۲) قاری عبدالحق رامپوری (سبعہ) (۳) قاری حامد حسین (سبعہ) (۴) قاری عاشق الٰہی (سبعہ) (۵) قاری ابوبکر (۶) قاری محمد ایوب (عشرہ) (۷) قاری احمد اللہ صاحب (عشرہ) استاد مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل۔ ——— راقم الحروف کو آپ سے ملاقات کا شرف آج سے تقریباً تین سال قبل حاصل ہوا پہلی ملاقات میں بڑی اپنائیت اور محبت سے ملے دوسری بار جب اپنی کتاب النفحۃ العنبریہ پر تقریظ کیلئے حاضر ہوا تو نہایت مسرت کے ساتھ مسودہ ملاحظہ فرمایا اور بڑے ہی حوصلہ افزا کلمات لکھوائے اس دوسری ملاقات میں دوران گفتگو فرمایا کہ "میں تو اب بوڑھا اور کمزور ہو رہا ہوں، مشق و تمرین کا کام نہیں ہو رہا ہے تم اگر یہاں آجاتے تو بڑا اچھا ہوتا" تیسری بار جب اپنی مذکورہ بالا کتاب مطبوعہ شکل میں لیکر حاضر خدمت ہوا اور اسے ہدیۃً پیش کیا تو بڑے شوق سے اسے قبول فرمایا اور مشفقانہ تعریفی کلمات سے نوازا۔

اب جبکہ راقم جامعہ ہذا میں قرأت و تجوید کی خدمت کیلئے آیا اور ملاقات ہوئی تو میری تقرری پر بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ آپ کی طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں تھی۔ غالباً رخصت پر تھے، فرمایا کہ "میرا انتظار نہ کیجئے سالِ دوم سبعہ طلبہ کا اجراء شروع کرا دیجئے، مجھے بڑا تردد تھا مگر اب آپکے آجانے کے بعد اطمینان ہو گیا" پھر آپکی علالت کے پیش نظر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ کیا خبر تھی کہ یہ مرحوم سے میری آخری تفصیلی گفتگو ہوگی۔

شدید علالت اور وفات | یوں تو آپ کی علالتِ طبع کا سلسلہ رمضان ہی سے تھا مگر شوال میں جبکہ آپ مرادآباد تشریف لائے تو بجائے سنبھلنے کے طبیعت کچھ بگڑتی ہی گئی بالآخر آپ آخر شوال میں واپس مکان تشریف لے گئے۔ ماہ ذی قعدہ کے شروع میں مکان سے ایک خط آیا کہ طبیعت سنبھل نہیں رہی ہے دعا کیجئے۔ ۱۱ ذی قعدہ کو حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہٗ اور مولانا محمد احمد صاحب نائب مہتمم کے ہمراہ راقم الحروف عیادت اور مزاج پرسی کیلئے افضل گڈھ حاضر ہوا۔ اسوقت ایسی حالت نہیں تھی جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ یہ حادثہ اسقدر جلد ہو جائیگا۔ مگر ——— کَانَ مَا تَحْذَرِیْنَ قَدْ وَقَعَ آپ کی طبیعت روز بروز بگڑتی ہی گئی اور ۱۵ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۸۱ء کی شب میں ۴ بجکر .. منٹ پر بعمر ۔۔ سال آپکا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰ تقریباً ۲۳ سال تک جامعہ قاسمیہ میں اور اس سے قبل ۱۳ سال مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ ضلع میرٹھ میں تجوید و قرأت کی خدمات آپ نے انجام دیں۔ اسطرح تدریسی مدت نصف صدی تک پہنچتی ہے۔ پسماندگان میں آپ کی اہلیہ، ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہیں۔

ادبیات

غزل

علامہ اقبال سہیل

پھر دکھا دے دیدۂ عالم کو شانِ زندگی

اس طرف آئیں کہاں ہیں طالبانِ زندگی
ہے دمِ شمشیر خضر آستانِ زندگی!!

تو نفس کی آمد و شد کو سمجھتا ہے حیات
میں یہ کہتا ہوں وداعِ جاں ہے جانِ زندگی

کر تلاشِ اب کنجِ مرقد اے طلبگارِ سکوں
شورشِ پیہم کا طالب ہے جہانِ زندگی

ایک ٹھوکر مار دیتا ہے جہاں پائے طلب
خود ابلتا ہے وہاں سیلِ روانِ زندگی

رو پڑے راہِ طلب میں جس جگہ دو آبلے
لہلہا اٹھا وہیں اک گلستانِ زندگی

کربلائے عشق سے آتی ہے ابتک یہ صدا
رفعتِ نوکِ سناں ہے نردبانِ زندگی

فدیۂ جاں پیش کر اے پیروِ دینِ حنیف
ذوقِ قربانی ہے پہلا امتحانِ زندگی

استقامت کا سبق لے اسوۂ صدیق سے
پھر زمانے کو سنا دے داستانِ زندگی!

ہاں جنونِ شوق اٹھ پھر لیکے فاروقی علم
پھر دکھا دے دیدۂ عالم کو شانِ زندگی

خرمنِ باطل کو خاکستر بنا کے چھوڑ دے
ہر نفس تیرا ہو اک برقِ تپانِ زندگی،

عالمی مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کا دینی و علمی ترجمان

مرتب

حبیب الرحمٰن قاسمی

عالمی مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ القاسم دیوبند

شمارہ ۸ | ماہ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۱ء | جلد ۱

فہرست مضامین

مرتب
حبیب الرحمن قاسمی

مجلسِ ادارت
مولانا سید ارشد مدنی
مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری
مولانا ریاست علی بجنوری
مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

زرِ اشتراک
سالانہ -/۲۰
ششماہی -/۱۲
فی پرچہ -/۲
ممالک غیر سے اس کے مساوی علاوہ محصول ڈاک

ترسیلِ زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ القاسم دیوبند یوپی
۲۴۷۵۵۴

محمد حسیب صدیقی پرنٹر، پبلشر نے محبوب پریس دیوبند میں طبع کرا کر دفتر ماہنامہ القاسم سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

۲۱ر اکتوبر ۸۱ء کی شام دارالعلوم کی ۱۱۹ سالہ تابناک زندگی پر ایک بدنما داغ کی شکل شکل میں ہمیشہ کے لئے مرتسم ہوگئی ہے۔ جبکہ نہتے اور بے قصور طلبہ پر نشۂ اقتدار سے مدہوش انتظامیہ کے زرخرید بلوائیوں نے لاٹھیوں، بلموں اور دیسی ریوالوروں سے حملہ کرکے انھیں موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر غیر متوقع اور ڈرامائی تھا کہ خالی الذہن طلبہ کو سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

مدارس عربیہ جو درحقیقت اسلامی علوم اور روایات و اقدار کے محافظ و امین ہیں جہاں سے اسلام کے پیغام امن و سلامتی کی ترویج و تشہیر ہوتی ہے جہاں ایمان و اخلاق اور انسانیت کے درس دیے جاتے ہیں۔ اور جہاں سے پوری کائنات کے احتساب و نگرانی کا اہم ترین فریضہ انجام پاتا ہے۔ اگر انھیں مدارس کے ذمہ دار اسلامی روایات و اقدار کو پامال کرنے لگیں۔ امن و سلامتی کی جگہ تشدد و بربریت پر اتر آئیں۔ احتساب اور مخلصانہ تنقیدوں کو بزور طاقت روکنے لگیں اور جھوٹ، فریب خیانت اور لاقانونیت ان کا شیوہ ہو جائے۔ تو پھر ملت کا خدا حافظ

بدقسمتی سے دارالعلوم دیوبند میں آج یہی سب کچھ ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں دارالعلوم پی، اے، سی کی تحویل میں ہے اور مجبور و مقہور طلبۂ دارالعلوم اس کڑاکے کی سردی میں دارالعلوم سے باہر پڑے حق و انصاف کو آواز دے رہے ہیں۔ اور اس وقت حالت یہ ہے کہ ایک طرف دیوبند کے مخلص و مسلم عوام ہیں۔ مجلس شوریٰ ہے (جو ملک کے ایسے منتخب علماء و صلحاء پر مشتمل ہے جس سے بہتر کوئی دوسری علماء کی جماعت پیش نہیں کی جا سکتی اور دارالعلوم کے دستور و آئین کی رو سے دارالعلوم کی ذمہ دار اعلیٰ ہے) تمام فضلاء دارالعلوم ہیں۔ اور ملک و بیرون ملک کے

بہی خواہان ملت ہیں جو طلبہ دارالعلوم کو مظلوم اور بے قصور سمجھ رہے ہیں اور ان کی امداد واعانت کو اسلامی وانسانی فریضہ باور کرتے ہیں دوسری طرف دارالعلوم کی عاقبت فراموش انتظامیہ ہے، بعض اسلام مخالف جماعتیں و مسلم کش پارٹیاں ہیں اور چند وہ ناکام سیاسی لیڈر ہیں جو حقیقتاً دارالعلوم اس کے اکابر اس کے مقصد و منہاج اور اس کی تحریک کے نہ صرف مخالف بلکہ دشمن ہیں جو ان مظلوم و بیکس اور غریب الدیار طلبہ کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہیں اور مسلسل اس تگ و دو میں ہیں کہ دارالعلوم کی چہار دیواری سے نکال دینے کے بعد انھیں دیوبند سے بھی باہر کردیں تاکہ وہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں اور علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل سے محروم رہ جائیں۔

اس وقت مسلمانان ہند بالخصوص فضلاء دارالعلوم اور مسلک دیوبندیت پر یقین رکھنے والوں کے جذبہ عزیمت اور قوت فیصلہ کا امتحان ہے کہ آیا وہ ہمت ہار کر غیر جانبدار جیسے خوش کن و دلفریب الفاظ کا سہارا لیکر بیٹھ جاتے ہیں یا اس مرکز علوم ومعارف اور ہندوستان میں اسلام کی اس عظیم علامت کی بقاء و تحفظ کے لئے جرأتمندانہ قدم آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے عمل وکردار سے دنیا کو باور کرا دیتے ہیں کہ ہم بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہیں مگر اپنی مادر علمی اور ملت کی اس گراں قدر امانت کو کسی خاندان کی جاگیر یا اللہ کے رسول اور نبی کریم ؐ کے مقدس ساتھیوں کی توہین وتنقیص کرنے والوں کی چھاؤنی کبھی نہیں بننے دیں گے۔

کیمپ دارالعلوم

جسمیں اسوقت بارہ سو سے زائد طلبہ دارالعلوم مقیم ہیں اور نہایت پُرامن طریقے پر اپنے علمی مشاغل میں مصروف ہیں ان طلبہ کے قیام وطعام اور دیگر ضروریات پر یومیہ تقریباً پانچ ہزار روپئے کا خرچ آرہا ہے جسے ملک کے ارباب خیر وصلاح اور بہی خواہانِ دارالعلوم پورا کر رہے ہیں بالخصوص اہلِ دیوبند، یوپی کے مغربی اضلاع اور اہل بمبئی نے اس سلسلے میں نہایت حوصلہ اور فراخدلی سے کام لیا ہے جس پر وہ صحیح معنوں میں لائق تحسین وتبریک ہیں۔

کیمپ کے قیام کو آج چالیس یوم ہوچکے ہیں اس طویل عرصہ میں ہزار اشتعال انگیزیوں کے باوجود

کیمپ میں قیام پذیر طلبہ نے جس نظم وضبط اور امن وسلامتی کا مظاہرہ کیا ہے اس پر دیوبند کے عوام ہی نہیں ضلع سہارنپور کے اعلیٰ حکام بھی تحسین وتوصیف کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے ۔

مگر مٹھی بھر افراد جو اس وقت بدقسمتی سے دارالعلوم کی عمارت پر اپنا ناجائز تسلط قائم کئے ہوئے ہیں مسلسل شور وغوغا کئے جا رہے ہیں کہ طلبہ اور ان کے ہمارے اساتذہ فسادی ہیں اور دیوبند میں ان کا وجود امن عامہ کیلئے خطرناک ہے ۔ وہ اپنی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے ایسے ایسے گھناؤنے اور اشتعال انگیز پوسٹر اور پمفلٹ شائع کر رہے ہیں اور ایسی ایسی اخلاق سوز حرکتیں کر رہے ہیں جو اسلامی اور انسانی نقطۂ نظر سے غلط ہونے کے ساتھ ماحول میں کشیدگی اور اشتعال بڑھا کر کسی ناخوشگوار واقعہ کا باعث بن سکتے ہیں ۔ اس لئے ضلع انتظامیہ کو ایسے فساد انگیز عناصر پر کڑی نگاہ رکھنی چاہئے ۔

اس موقع پر ہم یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ کیمپ مظلوم ومجبور طلبہ کی دادرسی اور انھیں تعلیمی خسارے سے محفوظ رکھنے کیلئے خود دارالعلوم کے ورکنگ مہتمم، ہر دو نائبین مہتمم، صدر المدرسین اور اہم اساتذہ نے قائم کیا ہے اور یہی حضرات اسکے نگران ومنتظم ہیں اور دارالعلوم کی مجلس شوریٰ جو آئین واصول کی رو سے دارالعلوم کے جملہ معاملات میں ہیئۃ حاکمہ ہے، اس کیمپ کی حمایت وسرپرستی کر رہی ہے اس لئے آئینی وعقلی طور پر اس وقت حقیقتاً دارالعلوم یہی ہے فرق بس اتنا ہے کہ قدیم عمارت سے مجبوراً باہر ہے ۔ اور جس دن الجھے ہوئے معاملات سلجھ جائیں گے ۔ اور دارالعلوم کی عمارت ناپسندیدہ اور غیر متعلق افراد سے جنھیں غلط طور پر دارالعلوم کے معاملات میں دخیل بنالیا گیا ہے ۔ پاک ہو جائیگی یہ پورا کا پورا کیمپ دارالعلوم کے اندر پہنچ جائیگا ۔ اس لئے جو لوگ کیمپ کو متوازی دارالعلوم کا نام دیکر رائے عامہ کا مذاق اڑا رہے ہیں اور مظلوم طلبہ کے زخمی دلوں پر نمک پاشی کر رہے ہیں انھیں اپنے آخرت کی فکر کرنی چاہئے بالخصوص وہ لوگ جو سارے مسلمانوں کو نسلی اور اپنے آپ کو اصلی مسلمان کہتے ہوئے تھکتے نہیں انھیں اس فریب دہی سے زیادہ احتیاط کرنی چاہئے مگر متوازی دارالعلوم کا واویلا یہی افراد زیادہ کر رہے ہیں اور اس طرح ظلم وزیادتی کے خلاف اس پُرامن اور با مقصد احتجاج کی غلط منظر کشی کر کے مسائل کو سلجھانے کی بجائے مزید الجھانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں تاکہ دارالعلوم کا یہ بحران بدستور قائم رہے اور اس کارگاہ سے دین خالص کے داعی اور محمد عربیؐ فداہ روحی وابی وامی کے سپاہی تیار نہ ہوسکیں جو ان کے ماڈرن اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دے رہے ہیں ۔

تحفظ دارالعلوم کنونشن

دارالعلوم کی موجودہ تشویشناک صورت حال کو دیکھتے ہوئے دہلی اور ملک کے مختلف خطوں کے بہی خواہان دارالعلوم نے ۲۲ رنومبر ۸۱ء کو ایک کنونشن بلایا تھا۔ اس کنونشن کی ضرورت وافادیت سے انکار وہی کرسکتا ہے جسے دارالعلوم کے مقابلے میں اپنے ذاتی اغراض ومفادات ہی عزیز ہونگے کنونشن کی آواز پر فضلاء اور بہی خواہان دارالعلوم نے جس طرح لبیک کہا کنونشنوں کی تاریخ میں اس کی مثال کمتر ہی ملے گی۔ ذمہ داروں کی طرف سے دعوت نامے صرف دوہزار کی تعداد میں جاری کئے گئے تھے مگر محبان دارالعلوم دعوت ناموں سے بے نیاز ہوکر چھ ہزار کی تعداد سے بھی زیادہ شریک اجلاس ہوئے، اور خاص بات یہ ہے کہ ملک کا کوئی صوبہ ایسا نہیں بچا تھا کہ جہاں فضلاء وبہی خواہان دارالعلوم موجود ہوں اور ان کی نمائندگی کنونشن میں نہ ہوئی ہو۔ اس موقع پر بلا کسی خاص ترغیب کے حاضرین نے کیمپ دارالعلوم میں زیر تعلیم طلبہ کی امداد کے لئے لگ بھگ ایک لاکھ روپئے حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر عالمی مؤتمر ابناء قدیم دارالعلوم کے توسط سے پیش کئے جس سے کیمپ دارالعلوم کے ساتھ ملک کی بھرپور ہمدردی کا پتہ چلتا ہے۔

تحفظ دارالعلوم کنونشن نے متفقہ طور پر دارالعلوم کی مجلس شوریٰ پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے دارالعلوم کے معاملات کے تصفیہ کے لئے نہایت اہم تجویزیں پاس کیں۔ یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر اخلاص نیت کے ساتھ ان تجاویز پر عملدرآمد کرلیا گیا تو دارالعلوم کا یہ بحران انشاءاللہ دور ہوجائے گا۔

اس وقت ضرورت ہے کہ بہی خواہان دارالعلوم بالخصوص فضلاء کرام اپنے اپنے صوبوں اور شہروں میں اس طرح کے اجتماعات اور کنونشن بلاکر دارالعلوم کی بقاء وتحفظ کے لئے ہر امکانی کوشش کریں اور خدائے پاک سے دعا بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ملت کی اس عظیم امانت کو شرور وفتن سے پاک فرمادے اس کے سابقہ علمی وروحانی ماحول کو واپس لوٹائے، مسلک دیوبند اور تحریک دارالعلوم کے مخالفین کی دست وبرد سے اس مرکز علمی کو ہمیشہ کیلئے محفوظ رکھے اور کیمپ دارالعلوم میں مقیم طلبہ عزیز کو صبر واستقامت اور اپنی مرضیات پر چلنے کی سعادت سے بہرور فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

ایک علمی تقریر

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود (ننھو میاں) نبیرہ حضرت قطب ارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سرپرست عالمی مؤتمر ابناء قدیم دارالعلوم دیوبند اپنے تبحر علمی، وسعت معلومات، کثرت مطالعہ، دقت نظر اور اخلاص و للہیت کے اعتبار سے اپنے ہم عصر علماء میں ایک امتیازی شان کے مالک ہیں۔

کل ہند مؤتمر کے اجلاس منعقدہ ۲ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ موافق ۳۰ اپریل ۸۱ء کے کھلے اجلاس میں مولانا موصوف نے موقع و محل کے لحاظ سے علم کی حقیقت و فضیلت سے متعلق ایک مبسوط بصیرت افروز تقریر فرمائی تھی جسے عزیز گرامی مولوی حبیب الرحمٰن پالنپوری نے ٹیپ کی مدد سے قلم بند کر دیا تھا ــــ قارئین القاسم کے پیہم اصرار اور افادۂ عام کے پیش نظر یہ تقریر قسط وار شائع کی جا رہی ہے۔ تسہیل و تفہیم کی غرض سے منجانب ادارہ الگ الگ عنوانات قائم کر دیے گئے ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ علمی حلقوں میں یہ تقریر خاص طور پر پسند کی جائیگی (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ

تمہید حضرات میں نہ تو صاحب علم ہوں اور نہ مقرر ہوں دارالعلوم میں چند سال رہا ضرور ہوں مگر میں نے یہاں پڑھا لکھا کچھ نہیں اس لئے کہ دارالعلوم میں جتنے بھی حضرات تھے وہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی ہی کے متوسلین ومنتسبین میں تھے انھوں نے غایت تلطف کی نگاہ سے دیکھا اور جسطرح ناز پروردہ اولاد نالائق رہتی ہے میں بھی ان حضرات کے غایت تلطف میں رہ کر جیسے نالائق آیا تھا ویسا ہی واپس ہوگیا البتہ علم کی عظمت اور علماء کی وقعت تو میرے سینہ میں کسی راسخ فی العلم سے کم نہیں ہے مگر جہاں تک علم کا تعلق ہے افسوس کہ وہ مجھے نہیں آیا۔ مجھے حیا آرہی ہے کہ اس علماء کے مجمع میں طلباء کے مجمع میں میں آپ سے خطاب کروں مجھے اکبر کی بات یاد آگئی اکبر الہ آبادی کو کسی نے باہر سے لکھا کہ یہاں ایک مولوی صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ اکبر میرے شاگرد

ہیں حضرت اکبرؔ نے اس کے جواب میں لکھا کہ مولوی صاحب سچ کہتے ہیں جس زمانہ میں مولوی صاحب یہاں تھے تو میں اُن سے علم سیکھتا تھا اور وہ مجھ سے عقل مگر ہم دونوں کی بدقسمتی دیکھئے نہ مجھے علم آیا نہ انھیں عقل، بزرگو! ایسے ہی میرا بھی حال ہے لیکن وہ حدیث سامنے آ گئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الدنیا ملعونۃ وما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ او عالم او متعلم کہ یہ دنیا اور دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں یہ سب قابل لعنت ہیں سوائے اللہ کے ذکر کے اور اس کے متعلقات کے اور عالم و طالب علم کے اور یہ مؤتمر یقیناً علم کے اور ذکر کے ماوالاہ میں داخل ہے کیونکہ ماوالاہ کے اندر بڑی وسعت ہے اور اس کے ساتھ پھر عالم اور طالب علم اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا حضرت گنگوہیؒ کے یہاں ایک بڑا مجمع علماء کا مہمان تھا اور اتفاق سے نواب چھتاری بھی آئے تھے دسترخوان جب بچھنے لگا تو حضرت شیخ الہندؒ آہستہ سے دسترخوان سے کھسکنے لگے اس خیال سے کہ بھائی نواب صاحب حضرت کے تو مرید و معتقد ہیں ہم مولوی طالب ...... گاڑھے کے کپڑے پہننے والے... چٹائی پر بیٹھنے والے، دوپلی اوڑھنے والے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا نواب صاحب شاید پسند نہ کریں گھر کی بات ہے ہم پھر کھالیں گے نواب صاحب ہیں گورنروں وائسراؤں کے ساتھ کھانا کھانے والوں میں حضرت نے اُسے محسوس کر لیا فوراً فرمایا میاں مولوی محمود حسن آپ کہاں چلے بھائی آپ کے ساتھ کھانا کھانا اگر نواب صاحب کو ناگوار ہوگا تو نواب صاحب دسترخوان سے اٹھ جائیں گے مجھے نواب صاحب سے کیا لینا ہے آپ لوگوں کے ساتھ میری زندگی اور موت کا سوال ہے آپ ہی تو میرے اصول و فروع ہیں۔

درگور برم از سر گیسوئے تو تارے
تا سایہ کند بر سرِ من روز قیامت

بھائی تم مجھے چھوڑ کے کہاں چلے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جلدی سے بیٹھ گئے کہ حضرت کچھ اور نہ فرمائیں مگر حضرت تو فرما چکے جو فرمانا تھا تو بزرگو! یہ عالم اور طالب علم آپ حضرات علماء اور طلباء یہاں جمع ہیں آپ ہی ہمارے اصول و فروع ہیں ہم آپ سے واسطہ نہ رکھیں تعلق نہ رکھیں ربط نہ رکھیں تو کس سے رکھیں اور آپ ہی ہمارے لئے وجہ جذب و کشش نہ ہوں گے تو اور کیا چیز ہو سکتی ہے اب میں سوچتا ہوں کہ بیان کیا کروں بظاہر ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ ایک علمی مرکز ہے

کچھ علم ہی کے متعلق آپ حضرات کے سامنے عرض کروں۔

فضیلت علم دیکھئے آپ یہ خیال فرمایئے کہ اس امت کا نبی ہی اللہ تعالیٰ کی صفت علیم وخبیر سے سیراب ہوا اس لئے اُس کا خصوصی معجزہ الکتاب قرآن مقدس علم الاولین والآخرین ہے اسی لئے اسکی امت کا وصف خاص علم وخبر ہے اسی لئے اس کی امت میں علم وعلماء کی کثرت ہے مصنفات ومؤلفات کی کثرت ہے علوم وفنون کی کثرت ہے اور یہ کلیہ مشہور ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندہ کو عقل سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں عطا کی۔

اور دیکھئے واقعہ یہ ہے کہ علم ایک مرکزی صفت ہے بہت سی صفات ہیں وہ آپس میں مختلط ہو جاتی ہیں لیکن علم ایک ایسی صفت ہے جو ان کے درمیان خط امتیاز کھینچکر سب کو الگ الگ کر دیتی ہے ہو سکتا ہے ایک شخص ایک عمل کو دیکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ یہ سخاوت ہے اور واقعتاً وہ اسراف وتبذیر ہو ہو سکتا ہے ایک عمل کو وہ سمجھتا ہو کہ یہ شجاعت ہے اور واقعتاً وہ قلبی قساوت ہو ہو سکتا ہے ایک عمل کو وہ سمجھتا ہو کہ یہ شجاعت ہے اور واقعتاً وہ قلبی قساوت ہو ہو سکتا ہے ایک شخص ایک عمل کو سمجھتا ہو کہ یہ مسامحت ہے اور واقعتہً وہ مداہنت ہو علم ان کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیتا ہے جس سے ہر چیز الگ الگ ہو جاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھئے کہ اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کی چار صفات ہیں اور چار ہی کمالات ہیں صفات اربعۂ خاصہ حیات، علم، قدرت قیومیت، طالب علم میری بات ذرا غور سے سنیں اور کمالات اربعہ خاصہ ابداع وخلق وتدبیر تدلّی دیکھئے یہاں حیات کے بعد سب سے پہلے علم ہی ہے اور علم ہی سے ناشی ہے۔ قدرت بھی اور علم ہی سے ناشی ہے قیومیت بھی اور علم ہی سے ناشی ہے ابداع بھی خلق بھی، تدبیر بھی تدلی بھی علم درحقیقت ایک مرکزی صفت ہے تمام صفات اپنی کارگذاری میں صفت علم ہی کی محتاج ہیں اور خود صفت علم اپنی کارگذاری میں کسی صفت کی محتاج نہیں شاید کوئی شخص یہ کہے کہ صفت علم اپنی کارگذاری میں صفت عقل کی محتاج ہے اسی لئے مشہور ہے کہ یک من علم را دہ من عقل باید مگر ایسا نہیں ہے عقل تو درحقیقت اُس کا محل ہے اسی لئے ذوی العقول میں علم کا سوال پیدا ہوتا ہے غیر ذوی العقول میں نہیں۔

ایک علمی نکتہ ایک خاص بات ملاحظہ ہو وہ یہ کہ علم نبوّت اور صدّیقیت کے قبیل سے ہے

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس میں دو قوتیں رکھیں ایک قوّت عاقلہ اور ایک قوت عاملہ، عاقلہ کا کمال نبوت ہے اور عاملہ کا کمال عصمت ہے وہ بھی انبیاء علیہم السّلام کیلئے ثابت ہے پھر چونکہ نری قوّتِ عاقلہ اور نری قوّت عاملہ کافی نہیں تھی اس لئے کہ عقل مجرد کا وجود اس دنیا میں پایا ہی نہیں جاتا اقبال نے خوب کہا تھا کہ ع

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر علمی فیضان فرمایا۔ آگے فرماتے ہیں کہ قوت علمیہ کی شان کا غلبہ تاثیریت کے ساتھ نبوت ہے اور تأثریت کے ساتھ صدّیقیت ہے اسی طرح قوت عملیہ کی شان کا غلبہ تأثریت کے ساتھ شہادت ہے اور تأثریت کے ساتھ صالحیت ہے تو معلوم ہوا کہ علم ایک مرکزی صفت ہے اور تمام صفات اپنی کارگذاری میں اسی کی محتاج ہیں اور خود علم اپنی کارگذاری میں کسی صفت کا محتاج نہیں۔

مجھے حضرت تھانوی ؒ کی بات یاد آتی ہے حضرت نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ بھائی جب ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں جب حضرات صحابہ کی سوانح دیکھتے اور پڑھتے ہیں تو ایک دفعہ کو یہ تمنّا پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہم بھی اس دور پُر سعادت میں ہوتے اور ہم بھی کو کبۂ جمال نبوت دیکھتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمیں اس کی توقع نہیں ہے کہ اگر ہم اس زمانہ میں ہوتے تو کون سے کیمپ میں ہوتے، حزب مخالف کی صف میں ہوتے یا حزب موافق کی۔ اس لئے کہ حضرات صحابہ جن مصائب سے جن شدائد سے جن مضائق سے دوچار ہوئے ہمیں امید نہیں ہے کہ ہم ان مضائق میں سے گذرتے تو ثابت قدمی کے ساتھ گذرتے بس ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہم کو نسلی مسلمان بنایا خدا کرے کہ ہم اصلی مسلمان بھی بن جائیں۔

یہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ہم کو تقلیدی مسلمان بنایا خدا کرے کہ ہم تحقیقی مسلمان بھی بن جائیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس نے ہم کو استدلالی مسلمان بنایا خدا کرے کہ ہم وجدانی وکشفی مسلمان بن جائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے

ایک ایسے نبی کی امت میں پیدا کیا جن کی تربیت ہی صفت علیم و خبیر کے ساتھ کی گئی سید الانبیاء والمرسلین اور خاتم الانبیاء والمرسلین کی امت میں پیدا کیا خیر امت ہم کو بنایا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا اور اس نبی کا امتی ہونا جن کا وصف خاص ہی علم و خبر ہے ایک بہت بڑا فخر بہت بڑی سعادت اور بہت بڑا مجد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قرآن مقدس عطا ہوا اور صفت علیم و خبیر سے آپ کی سیرابی کی گئی۔

قرآنی علوم | بزرگو! یہ صحیفۂ مقدس قرآن جو ہم کو عطا ہوا اگر اس کی غایت ترتیب و تلخیص کی جائے تو یہ صرف ذکر ہے۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ فرمایا گیا اور ذکر بمعنی التذکیر بھی آتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ التذکیر کی تین قسمیں ہیں التذکیر بآلاء اللہ (۲) التذکیر بایام اللہ (۳) التذکیر بالموت و بما بعد الموت اور فرمایا کہ ...... التذکیر بآلاء اللہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ طبعیات پر آدمی کی نظر نہ ہو اور التذکیر بایام اللہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تاریخ پر آدمی کی نظر نہ ہو قوموں کے عروج و زوال، ارتقاء و انحطاط سے واقفیت نہ ہو اور التذکیر بالموت و بما بعد الموت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کتاب مقدس مبین اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری نظر نہ ہو اور حضرات اگر اس کتاب مقدس مبین کی ذرا وسیع معنیٰ میں تلخیص کیجائے تو یہ پانچ امور پر مشتمل نظر آتا ہے (۱) یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (۲) ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (۳) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ (۴) اُدعُ الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (۵) ان علیک الا البلاغ، فھل علی الرسول الا البلاغ، وما علینا الا البلاغ، یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطاب عام فرمایا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ الا ھل بلغت کیا میں نے پہنچا دیا ہر طرف سے آواز بلند ہوئی۔ بلیٰ یا رسول اللہ آپ نے آسمان کی طرف انگشت شہادت اٹھا کر عرض کیا۔ اللھم اشھد

اللھم اشھد اللھم اشھد اے اللہ گواہ رہیو، گواہ رہیو کہ میں نے آپکے بندوں کو وہ سب کچھ پہنچا دیا جو آپ نے مجھ پر نازل کیا۔

مقاصد نبوت ان پانچوں میں نمبر اوّل کو مقاصد نبوت بنا کر متعدد مقامات پر بیان فرمایا گیا کہیں فرمایا۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلو علیھم اٰیٰتہ و یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کہیں فرمایا لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً منھم یتلو علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کہیں فرمایا ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم اٰیاتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ان آیات سے مقاصد نبوت چار معلوم ہوئے۔ (۱) تلاوت کتاب (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس۔

رجال امّت کی خدمات تمام صحابہ وتابعین اتباع تابعین، فقہاء ومحدثین اور اسکے بعد محققین صوفیاء نے اپنی عمریں انہی مقاصد کی خدمت میں گذاریں مقصد اوّل تلاوت کتاب اس کی تکمیل حضرات قراء نے فرمائی تجوید وقرأت اس کی شرح وایضاح ہیں۔ مقصد دوم یعنی تعلیم کتاب اس کی تکمیل حضرات مفسرین نے فرمائی نمبر تین تعلیم حکمت اس کی تکمیل حضرات فقہاء اور محدّثین نے فرمائی اس لئے کہ فقہاء ہی اعلم بالسنۃ ہیں رہا تزکیۂ نفوس اس کے حامل حضرات صوفیاء کرام ہوئے پھر حضرات محدّثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت فرمائی اور رواۃ ورجال کی تحقیق اور جرح وتعدیل کے اصول وضع کئے ایک لاکھ سے زیادہ رواۃ ورجال کے کوائف کا ذخیرہ مرتب کیا جو انھیں زندہ جاوید بنا گیا آج دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہ اس کی آسمانی کتاب محفوظ ہے نہ اس کے کسی نبی اور رسول کی سیرت محفوظ ہے اور نہ رواۃ ورجال کا سلسلہ محفوظ ومنضبط ہے یہ شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا کہ ان کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے سینوں میں بھی اور سفینوں میں بھی ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک صفحہ ایک ایک ورق ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف محفوظ ہے اور رواۃ ورجال کے کوائف کا ذخیرہ بھی مرتب ہے اسی لئے تو فرمایا گیا تھا۔ لاتحرّك بہ لسانك لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ اسی لئے فرمایا گیا تھا کہ

امانۃً لحافظون اور ایک خاص احتیاط ملاحظہ ہو۔ طالب علم غور سے سنیں کہ نزول وحی کے وقت خاص طور پر اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ظاہری حواس اور دواعی کو معطل کرنا پسند کیا گیا تاکہ مراد حق غیر مراد حق سے مختلط نہ ہو جائے۔ پھر محدثین نے الفاظِ حدیث کی حفاظت فرمائی وفقہاء نے معانی حدیث کی حفاظت فرمائی اسطرح احکام بھی محفوظ ہوگئے معانی ومطالب بھی محفوظ ہوگئے۔ اور زنادقۂ روزگار اور ملاحدہ روزگار اور تجدد پسندوں کی دست و برد سے ہمیشہ کیلئے صیانت ہوگئی۔ اللہ اکبر

حضرات صوفیاء کی خدمات اب رہا تزکیۂ نفوس اس کے حامل صوفیائے کرام ہوئے کہ جنھوں نے اس نسبتِ احسانی کی پاسبانی کی اور قلوب کے تصفیہ "تزکیہ" تجلیہ اور تطہرہ سے اصلاح سیرت واخلاق کی ذمہ داری لی اور رسوخ فی الذکر کے ساتھ تہذیبِ اخلاق اور اکتساب احسان کو اپنا موضوع قرار دیا قرون اولیٰ میں یہ خود بخود میسر تھا مابعد القرون میں ایک مستقل شعبہ بنا،

علم وتصوف کی جامعیت مطلوب ہے اور ایک خیر امت نے تو اس کو ایک نہایت خوبصورت سلسلۃ الذہب میں مرتب کرکے دکھلایا۔ فرمایا، لادین الا بالعلم ولا علم الا بالکتاب و ولا کتاب الا بمرادہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ ولا یتبین مرادہ الا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یتضح السنۃ الا بکلام الفقہاء ولا یفید کلام الفقہاء الا بالانصباغ ولا یلوح الانصباغ الا بالتزکیۃ ولا یتاتی التزکیۃ الا بمعیۃ الشیوخ ولا المعیۃ الا باتباعھم۔ اسی لئے بزرگوں کی اولاد بزرگوں کے خدام بزرگوں کی بیویاں باوجودیکہ ان کو قرب ومعیت حاصل ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ قرب ومعیت مشروط ومقید بالاتباع ہے اور وہ انھیں نصیب نہیں ہوتا اسی وجہ سے اکثر کورے کے کورے بلکہ کورے رہتے ہیں اب دیکھئے ایک طرف تو یہاں علماء کو تنبیہ ہوگئی کہ نرے علم پر نازاں نہ ہوں نرا علم خشک کھجور ہے دوسری طرف صوفیاء کو بھی تنبیہ ہوگئی کہ جب تک علم نہیں کچھ نہیں۔ اس لئے کہ علم سابق المعرفت نہیں مگر معرفت سابق العلم ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حاضر ہوئے تو گویا یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے ؎

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب
مجھکو نہ تھی خبر کہ ہے علم نخیل بے رطب
تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا ؟؟؟!
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے بعض بزرگوں نے کہا ہے من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن جمع بینھما فقد تحقق جس نے تفقہ حاصل کیا یعنی علم ظاہر اور تصوف حاصل نہیں کیا وہ ذرا خشک سا رہے گا۔ تصوف کے نام سے بعض لوگوں کو چڑ ہے۔ آپ اسے احسان و تزکیہ اور اخلاص کہہ لیجئے کہ اور جس نے تصوف تو حاصل کیا احسان و تزکیہ کی طرف تو کچھ چلا لیکن علم ظاہر حاصل نہیں کیا وہ زندیق ہو کر رہے گا اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا وہ تحقق کے مرتبہ پر پہنچ گیا اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی کے یہاں مہمان بن کر گیا تھا میزبان نے اس سے کہا بھائی میرے یہاں کچھ تو تھوڑا سا دودھ ہے اور کچھ گھی ہے آپ دودھ سے روٹی کھانا پسند کریں گے یا گھی سے مہمان تھا بڑا ہوشیار کہا میں تو گھی سے چپڑ کر دودھ سے کھاؤں گا۔

دودھ کی فوقیت | حضرت اقدس مدنی رح کے یہاں درس میں طالب علموں نے ایک دفعہ سوال کیا کہ حضرت علم ظاہر بہتر ہے یا علم باطن اور یہ سوال دراصل اس سے متاثر ہو کر کیا کہ بعض جاہل صوفیاء کہا کرتے ہیں کہ علم ظاہر محض ایک حجاب ہے۔ جواب میں حضرت نے فرمایا کہ تمھیں بتلاؤ کہ دودھ بہتر ہے یا گھی۔ طالب علم بہت خوش ہوئے کہ مطلب کی بات ہوئی۔ کہا ہاں حضرت گھی بہتر ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر گھی بہتر ہوتا تو جنت میں دودھ اور شہد کی نہر تو ہے گھی کی بھی کوئی نہر ہوتی کتنا معقول جواب ہے اور فرمایا یاد رکھو دودھ کے اندر تین چیزیں ہیں۔ اگر یہاں اطباء موجود ہوں گے تو میری تصدیق کریں گے دودھ میں تین جز ہیں ایک مائیت ہے۔ وجعلنا من الماء کل شئ حي فرمایا گیا دوسرے اس میں جُبنیت ہے یعنی دودھیت و لبنیت جو موجب تغذیہ ہے تیسرے اس میں ملکی

سی دسومت اور روغنیت ہے جو بدن کی بھٹی میں جلنے کے کام آئے اگر کوئی شخص ساری عمر دودھ ہی دودھ پیتیا رہے تو اُس کے تغذیہ کیلئے کافی ہے لیکن اگر گھی کھانا شروع کرے تو دو تین وقت سے زیادہ نہیں کھا سکتا کہ اس کے مفوم اربعہ بگڑ جائیں گے مجھے یاد آیا ایک جوان لڑکا اٹھارہ بیس۲۰ سالہ بہت مضبوط مجسٹریٹ نے اسکو کسی جرم میں جیل سزا کر دی تو وہ مجسٹریٹ کے قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ سرکار جی مجھے جیل کی سزا نہ کریں اور جرمانہ جتنا چاہے کر دیں کہا کیوں اس نے کہا کہ جب سے پیدا ہوا ہوں۔ دودھ کے سوا کچھ کھایا پیا ہی نہیں میرے باپ نے پچاس بھینسیں میرے لئے ریزرو کر رکھی ہیں کہ اگر پچیس۲۵ دودھ سے بھاگیں گی تو پچیس۲۵ تو رہیں گی اور جیل میں مجھے دودھ کہاں ملے گا میں تو مر جاؤں گا۔ اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ دودھ ہی ایک ایسی چیز ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہے سبحان اللہ۔

علم کی اہمیت علماء محققین کی نظر میں | تو بزرگو آپ اسے خیال فرمایئے حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جو لوگ علم ظاہر کی تحقیر کرتے ہیں وہ واجب القتل ہیں اگرچہ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو علم باطن کی طرف متوجہ نہیں ہوتے وہ نبوت کی حقیقت کو نام کے سوا جان نہیں سکتے امام غزالی علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا اور امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں لوگو! اس علم کی قدر کرو یہ پچاس ہزار سال کی مسافت سے تم تک پہنچا ہے حضرت مجدد سرہندی علیہ الرحمہ نے ایک دفعہ شیخ نظام الدین بلخیؒ کو ایک والانامہ لکھا اس میں تحریر فرمایا کہ میں نے سُنا آپ کے یہاں تصوّف کی بہت مذاکرت ہوتی ہے میری رائے یہ ہے کہ تصوّف مذاکرت کی چیز نہیں ہے معاملت کی چیز ہے آپ کے یہاں فقہ ظاہر کی مذاکرت ہونی چاہئے چونکہ وہ مذاکرت کی بھی چیز ہے اور مباشرت کی بھی اور اس کے بعد کیسی قیمتی چیز ارشاد فرمائی اہل علم اس کی قدر کریں فرمایا کہ صوفیاء کے علوم احوال ہیں اور احوال میراث اعمال ہیں اور اعمال موقوف علی العلم ہیں اور علم و مجاہدوں کے درمیان ہے ایک تحصیل علم دوسرا استعمال علم کانوا یتعلمون الھدیٰ کما یتعلمون العلم سلف صالحین جس طرح علم سیکھتے تھے اسی طرح استعمال بھی سیکھے تھے۔

ایک واقعہ | حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا قول" احوال میراث اعمال ہیں" پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ہمارے حضرت گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ عبد القدوس قطب العالم قدس سرہٗ ایک دفعہ عشاء کے بعد اپنے کسی مرید سالک کو ذکرِ حدادی تعلیم کرنے کیلئے اٹھے ذکر حدادی میں کیا ہوتا ہے لا الٰہ پر کھڑے ہوگئے اور الا اللہ پر بیٹھ گئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ لا الٰہ الا اللہ یکسوئی پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے تو حضرت نے جو بتلانا اور تعلیم کرنا شروع کیا اپنے اس سالک طالب کو تو خود اس میں اس قدر گویا استغراق ہوگیا کہ ساری رات گذر گئی صبح کو اذان پر حضرت کو اس حالت سے افاقہ ہوا! حضرت گنگوہیؒ نے یہ واقعہ بیان فرماکر ارشاد فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کا ذکر اتنا لمبا ہوگا اس کا حال کتنا لمبا ہوگا۔ اور بزرگو!...... میں اپنے حال سے اس کی مثال دیتا ہوں۔ میں سفر بہت کم کرتا ہوں۔ کبھی اتفاق سے سفر کی نوبت آجائے اور دس۱۰ بارہ۱۲ گھنٹے ریل میں گذر جائیں تو جب گھر آتا اور سوتا ہوں تو چونکہ میرا ذکر لمبا ہوگیا میرا حال بھی لمبا ہو جاتا ہے کہ ساری رات سوتے ہوئے میں چھکا چھک، چھکا چھک ہی کی آواز سنتا رہتا ہوں میرا ذکر لمبا ہوگیا تو میرا حال بھی لمبا ہوگیا۔ یہ بالکل ظاہری نفسیاتی چیز ہے۔ اعتیادی طبعی بات ہے اور میں کہتا ہوں ہمارا پورا تصوف اور طریقت یہ بالکل علم النفس اور نفسیاتی فنی چیز ہے۔ پھر فرمایا یاد رکھنے کی چیز ہے طلباء اسے محفوظ رکھیں کہ صوفیاء کے علوم ہیں احوال اور احوال ہیں میراثِ اعمال اور اعمال ہیں موقوف علی العلم اور علم ہے دو مجاہدوں کے درمیان ایک تحصیلِ علم ایک استعمالِ علم جچی تلی بات ہے

اور امام غزالیؒ نے جہاں یہ چیز لکھی ہے کہ جو شخص علمِ ظاہر کا انکار کرے وہ واجب قتل ہے وہیں پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ فمن لم یرزق منہ شیئاً بالذوق فلیس یدرك حقیقۃ النبوۃ الا الاسم کہ جس شخص نے تصوف کا ذائقہ نہیں چکھا۔ نبوت کی حقیقت کو نام کے سوا جان ہی نہیں سکتا۔ بڑا دعویٰ ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔ دمما بان لی بالضرورۃ من ممارسۃ طریقتہم حقیقۃ النبوۃ وخاصیتہا اور ان طرق صوفیاء وطرق معمول و متداول بین الصوفیہ پر عمل کرنے سے مجھے نبوت کی حقیقت اور اس کی خاصیت کا علم ہوا۔

قسط ۲
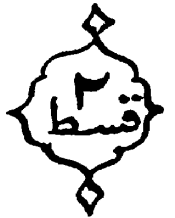
عقیدۂ قیامت

معاد اور مجازاتِ اعمال

معاد جسمانی کی حقیقت دو امر سے مرکب ہے ایک یہ کہ معاد کا اصل واقعہ بلحاظ عقل ممکن ہے محال نہیں کیونکہ محال کا ایک عرفی معنیٰ ہے یعنی کسی امر کا دشوار ہونا جیسے ایک آدمی کو دوسرا آدمی کہے کہ میرے ساتھ لاہور جاؤ، وہ کہے کہ مجھے عذر ہے، گھر میں بیمار ہے، نہیں جاسکتا، پھر بھی اصرار کرتا ہے کہ تم کو میرے ساتھ جانا پڑے گا جس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ میں جاؤں یعنی محال ہے

معاد جسمانی کی پہلی دلیل ظاہراً یہ ناممکن دشوار کے معنی میں ہے نہ یہ کہ لاہور جانا اس کیلئے عقلاً ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کہنے کے بعد اگر وہ لاہور جانے کا ارادہ کر کے ریل کا ٹکٹ لے لے تو جاسکتا ہے۔ دوسرا معنیٰ ناممکن اور محال یہ ہے جس کو فلسفہ میں ناممکن کہا جاتا ہے جیسے دو دو سے پانچ یا نفی اور اثبات کا ایک وقت میں جمع ہونا ایسا محال اور ناممکن، واقعی طور پر موجود نہیں ہوسکتا۔ مثلاً یہ کہ زید ایک خاص کمرے میں موجود بھی ہے اور موجود نہیں بھی ہے قیامت اور معاد اس معنیٰ میں محال نہیں کیونکہ بیک وقت نفی اور اثبات کا ایک محل میں جمع ہونا ممکن نہیں۔ اس وقت دنیا قیامت موجود نہیں۔ اور وقت مقررہ میں موجود ہوگی موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں کسی وقت بھی مجتمع نہیں تاکہ نفی واثبات بیک وقت مجتمع ہونے سے محال لازم آئے۔ تمام عقلی اور فلسفی ناممکنات یا محالات کی بنیاد یہی ہے کہ اس میں بیک وقت نفی اور اثبات کا اجتماع ہو۔ دو دو سے پانچ بھی اس حقیقت کے پائے جانے کی وجہ سے

محال ہے۔ کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں اور چار ایسا عدد ہے جو پانچ نہ ہو۔ اور جب ہم دو دو سے پانچ کہتے ہیں تو اس کو پانچ تسلیم کرتے ہیں تو گویا ہم نے ایک ہی عدد کے متعلق نفی اور اثبات کو جمع کر دیا کہ پانچ نہیں اور پانچ ہے جو محال ہے۔ لیکن قیامت جب ممکن ہے اور متواتر خبر صادق نے اس کی تصدیق کر دی ہے تو پھر اس کے صحیح ہونے میں شک نہیں۔ کیونکہ ہر ممکن امر کی جب تواتر کے ساتھ اس کی تصدیق ہو جائے یا قابلِ اعتماد ذرائع سے اس کا ثبوت مل جائے تو پھر اس کے واقع ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا مثلاً گذشتہ زمانے میں یہ خبر کہ جاپان کا ہیروشیما ایٹم بم سے تباہ ہوا ایک ممکن معاملہ تھا جب قابلِ اعتماد اطلاع سے اس کی تصدیق ہوئی۔ تو تمام دنیا نے اس کو درست تسلیم کیا۔ اسی طرح موجودہ دنیا کا نفخۂ اسرافیلی سے برباد ہو جانا جو کہ اربوں درجہ ایٹم سے قوی چیز ہے۔ ممکن امر ہے جب آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام جیسے راست بازوں کی متواتر شہادت اس کی تصدیق کر چکے ہیں تو پھر اس کے واقع ہو جانے میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے

معادِ جسمانی کی دوسری دلیل معادِ جسمانی کی دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ معادِ جسمانی کی حقیقت تخریب اور تعمیر ہے۔ یعنی موجودہ نظام دنیا کو درہم برہم کرنا یہ تخریب دنیا ہے۔ اور اس کے بدلے میں جہان آخرت کی تعمیر، یہ دونوں معاد جسمانی کی حقیقت ہے۔ اور یہ دونوں کام فعل الٰہی ہے۔ فعل انسانی نہیں اب اگر کوئی انسان اس کو دشوار سمجھے تو اپنی محدود اور ناقص قوت و قدرت کے پیش نظر اس کو دشوار سمجھے گا۔ لیکن خالقِ کائنات کی قدرت کے اعتبار سے اس میں کوئی دشواری نہیں، کیونکہ کسی کام کا آسان اور مشکل ہونا فاعل کے اعتبار سے ہے مثلاً بیس من بوجھ اٹھانا چیونٹی کیلئے دشوار ہے۔ لیکن ہاتھی کیلئے آسان ہے۔ لیکن چیونٹی اور ہاتھی دونوں مخلوق ہونے اور حیوان ہونے میں برابر ہیں۔ لیکن خالق اور مخلوق میں تو کوئی برابری نہیں۔ تو اگر انسان مخلوق کے لئے دنیا کی تخریب و تعمیر دشوار ہو تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ خالقِ کائنات کی قدرت کے لحاظ سے بھی دشوار ہو۔ حالانکہ دنیا کی موجودہ عمارت اسی خالقِ کائنات کی بنائی ہوئی ہے اور بگاڑنا بنانے سے آسان ہے تو اگر ہم انسان اور مخلوق ہونے کے باوجود جب کوئی بڑی سے بڑی عمارت بنا دیتے ہیں تو ہم اس کو گرا کر اس کی جگہ دوسری

عمارت بنا دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ تو کیا خالق کائنات کو یہ قدرت نہیں کہ اپنی بنائی ہوئی عمارت دنیا درہم برہم کرکے اس کی جگہ آخرت کی عمارت کھڑی کردے۔ یقیناً وہ ایسا کر سکتے ہیں اور یہی معاد جسمانی اور قیامت ہے جس کی صحت وصداقت عقلاً ثابت ہوگئی۔

ثبوت قیامت اور معاد جسمانی کی تیسری دلیل | قیامت میں مجازاۃ اعمال کے لئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ چونکہ خالق کائنات نے انسان کو پہلی مرتبہ زندگی عطا فرمائی جو مشاہدہ میں آتی ہے اور اس وقت انسان کا نام ونشان نہ تھا۔

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝ (سورۃ الدھر آیت)

انسان پر ابتدائی وجود سے قبل ایسا وقت آیا ہے کہ معدوم ہونے کی وجہ سے قابل ذکر بھی نہ تھا۔ اب دوبارہ زندہ کرنا عقلاً زیادہ قرین قیاس ہے۔ اگر ایک معمار پہلی مرتبہ ایک مکان بنا چکا ہو تو دوبارہ ویسا مکان یا اس سے بھی عمدہ مکان بنانا اس کے لئے کوئی دشوار نہیں ہوتا۔ اس کی طرف قرآن نے انسان کو توجہ دلائی ہے۔

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۝
(سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۴)

ہم نے انسان کو پہلی بار بنایا۔ دوبارہ بھی ایسا ہی بنائیں گے۔ یہ ہمارا پختہ وعدہ ہے۔ ہم ضرور ایسا کریں گے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ
(یٰس ۷۸-۷۹)

انسان ہم پر مثال بھلاتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہہ وہ جس نے پہلی بار بنایا وہ دوبارہ زندہ کرے گا۔

بلکہ دوسری آیت میں ہے

وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ـــــــــ بلکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلے کی نسبت آسان ہے

اس سے قیامت کا ہونا عقلی رنگ میں ثابت ہوا۔ یہ آسانی بھی قدرت انسان کے انداز پر ہے ورنہ قادر مطلق کے لئے سب صورتیں یکساں آسان ہیں۔

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ـــ اس کے لئے اعلیٰ کمال ہے

معاد کی چوتھی دلیل عام قانون ہے کہ اگر دو کام ایک ہی نوعیت کے ہوں تو اگر کوئی فاعل اسی نوعیت کا مشکل کام کر سکتا ہو تو آسان کام ضرور کر سکتا ہو گا۔ مثلاً ایک درزی جب کوٹ اور شیروانی سی سکتا ہے تو چادر سینا جو کوٹ اور شیروانی سے آسان ہے اس کو یقیناً سی سکتا ہو گا۔ کیونکہ دونوں ایک ہی نوعیت کی چیزیں ہیں یعنی خیاطت کی قسم سے ہے۔ اسی طرح ڈیڑھ دو من، انسان کی نسبت آسمان و زمین کی تخلیق جو کروڑوں من کی مخلوق ہے جب خدا نے ان کی تخلیق کی ہے تو انسان جو چھوٹی مخلوق ہے اس کی دوبارہ تخلیق اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ کہ دونوں کام ایک نوعیت کے ہیں یعنی از قسم تخلیق جو مخلوق اکبر کی تخلیق کر سکتا ہے تو مخلوق اصغر کی تخلیق کیوں نہیں کر سکے گا۔ قرآن نے

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا (النّٰزعٰت ۲۸)

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا جس کو اللہ نے بنایا اور بہت بلند جگہ پر رکھا اسکو

یعنی آسمان عظیم کی تخلیق کی قدرت سے سمجھ لو کہ تم انسانوں کی دوبارہ تخلیق یقیناً خدا کی قدرت میں داخل ہے لہذا عقلاً انسان کی دوبارہ زندگی معقول ہے

مجازاۃ اعمال اور معاد کی پانچویں دلیل کل کائنات جو انسان کے علاوہ ہے وہ انسان کی خدمت اور فائدہ رسانی کے لئے بنائی گئی ہے۔ وسخر لکم مافی السموٰت والارض۔ اے انسان تمہارے کام اور خدمت میں اللہ نے لگا دیا۔ تمام آسمانی اور زمینی کائنات کو اور انسان کو اللہ نے اطاعت اور عبادتِ خداوندی کے لئے بنایا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ہم نے جن اور انسان کو خدا کی عبادت کے بنایا ہے اور عبادت کا نتیجہ اس کے ثمرات ہیں اب اگر قیامت یا دوبارہ زندگی اور مجازاتِ اعمال اور جنت و دوزخ کچھ نہیں تو عبادت کا نتیجہ کچھ نہ نکلا، اور جب عبادت بے نتیجہ اور لغو ثابت ہوئی تو انسان کی تخلیق بھی عبث اور لغو ثابت ہوئی اور جب انسان کی تخلیق بھی عبث ہوئی تو پورے کارخانہ کائنات کی تخلیق کا وجود بھی عبث ہوا۔ تو خالقِ کائنات کا پورا تخلیقی عمل عبث اور بیکار ثابت ہوا جو اس کی شانِ حکمت کے خلاف ہے۔ لہذا نتائج اعمال انسان کا ظہور بشکلِ قیامت و آخرت ضروری ہے کہ دنیا میں اس کا ظہور نہیں تاکہ خداوند تعالیٰ کا کل کارخانہ عمل عبث نہ

ہوئے پائے۔ اور کارخانۂ عالم میں اور انسان کی تخلیق میں جو اس کی حکمت ہے وہ ظہور پذیر ہو جس سے عقلاً قیامت کا ثبوت ضروری ہوا۔

مجازاۃ اعمال اور قیامت کی چھٹی دلیل

قرآن نے ایحسبُ الانسان ان یترک سدی (کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اس کو بے کار چھوڑے گا؟) میں اسی مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسی طرح اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ (المومنون آیۃ ۱۱۴) کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے اور تم نتائج اعمال پانے کیلئے قیامت میں ہمارے پاس لوٹ کر آؤ گے؟ دنیا میں نیک و بد ہر طرح کے انسان موجود ہیں۔ کوئی فیض رساں ہے کوئی ظالم، کوئی اللہ کا تابعدار اور کوئی اللہ سے باغی۔ کوئی عادل، کوئی مفسد .... کوئی متقی اور کوئی فاجر، لہذا اللہ کے وصفِ عدل کے لئے جس پر اقوام عالم کا اتفاق ہے۔ یہ ضروری ہے کہ دونوں کے ساتھ سلوک اور خدا کا طرز عمل یکساں نہ ہو ورنہ اللہ کا عدل ظاہر نہ ہوگا۔ خود انسانی بادشاہ بھی اپنے وفادار اور باغی کے ساتھ برابر سلوک نہیں کرتا۔ وفادار کو انعام دیتا ہے اور باغی کو سزا اور اس کے خلاف کارروائی کو عدل و حکمت کے خلاف سمجھتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیوی زندگی میں نیک و بد انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک نظر آرہا ہے۔ بلکہ بسا اوقات باغی ظالم اور بدعمل انسان عیش اڑا رہے ہیں اور بہت سے خدا ترس عادل بے ضرر اور نیک افراد تنگی اور سختی میں مبتلا ہیں تو اگر اس زندگی کے بعد آخرت کی کوئی دوسری زندگی نہیں تو خالقِ کائنات کا نہ عدل ظاہر ہوگا نہ حکمت۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس زندگی کے بعد دوسری اخروی زندگی موجود ہو تاکہ اس میں عادل و باغی۔ نیک اور بد انسانوں کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق سلوک ہو اور اللہ کی حکمت اور عدل نمایاں ہو سکے۔ وہی قیامت اور روز مجازاۃ اعمال ہے جو عقلاً ضروری ثابت ہوا۔ قرآن نے اسی کی طرف آیت میں توجہ دلائی ہے۔

ام نجعل الذین آمنوا و عملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار۔	کیا اگر آخرت نہیں تو ہم اللہ پر یقین کرنے والوں اور نیکو کاروں کو مفسدوں کے برابر رکھیں گے اور خدا ترسوں کے ساتھ بدکرداروں کی طرح سلوک کریں گے؟ ہرگز نہیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

قیامت اور مجازاۃ کی ساتویں دلیل | یہ ایک قانونی ضابطہ ہے کہ ہر مرکب چیز کے لئے بساط اور مفردات کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اگر اصلی مرکب ہو۔ جیسے انسان جو عناصر پانی مٹی ہوا اور آگ سے مرکب ہے تو اس مرکب کے لئے خالص مفردات بھی موجود ہیں۔ مثلاً خالص پانی، خالص مٹی، خالص ہوا ...... اور خالص آگ کہ یہی مفردات بدن انسان کے اندر جو پانی۔ مٹی، ہوا اور آگ موجود ہے۔ اُن کا خزانہ اور مرکز ہے اسی طرح مصنوعی مرکب مثلاً شربت شکنجبین ایک مرکب ہے جس کے اجزار میں پانی، سرکہ اور چینی ہے۔ تو تینوں اجزار خالص صورت میں شکنجبین سے باہر موجود ہیں۔ یہ قانون وضابطہ اعیان واعراض، جواہر و اوصاف دونوں پر حاوی ہے مثلاً اگر کسی کپڑے میں ایسا رنگ ہو جو سیاہ اور سُرخ رنگ سے مرکب ہو تو اس کپڑے سے باہر اس مرکب رنگ کے خالص مفردات موجود ہیں یعنی خالص سیاہ رنگ اور خالص سُرخ رنگ اب ہم اس ضابطہ کے تحت دیکھتے ہیں کہ دنیا کی زندگی غم اور خوشی سے مرکب ہے۔ نہ خالص خوشی موجود ہے نہ خالص غم۔ بڑا خوشحال شخص بھی صرف خوشی سے بہرہ یاب نہیں بلکہ غم بھی اس کو لاحق ہے۔ کیونکہ وہ بوڑھا ہوتا ہے۔ بیمار ہوتا ہے اس کے اقارب و احباب مرتے ہیں۔ مال اور اقتدار اور عزت میں فرق آتا ہے۔ یہ سب غم ہے اور بڑے سے بڑا مغموم تنگدست آدمی بھی کوئی نہ کوئی خوشی رکھتا ہے۔ ہوا میں سانس لیتا ہے پانی پیتا ہے۔ روٹی کھاتا ہے۔ یہ سب خوشی ہے۔ اب انسانی حیات جو غم وخوشی کا ایک مرکب ہے اس مرکب کے ہر دو جز کے لئے خالص مفرد ہونا بھی ضروری ہے۔ کہ وہ اس مرکب کے اجزار کا مخزن ہو۔ یعنی ایک مرکز خالص غم کا ہونا ضروری ہے جس میں خوشی نہ ہو اور ایک مرکز خوشی ومسرت کا ہونا ضروری ہے۔ جس میں غم کا نام ونشان نہ ہو یہ دو مرکز اس دنیا میں ناپید ہیں۔ بنا برآں قیامت اور آخرت کا وجود ضروری ہے جس میں صرف دو مرکز ہوں ایک صرف غم کا یعنی دوزخ اور دوم صرف خوشی کا یعنی جنت کا تاکہ مخلوط مرکب کے لئے جو دنیاوی زندگی ہے خالص مفردات کا وجود متحقق ہو سکے۔ اس سے قیامت، دوزخ اور جنت کا ثبوت ثابت ہوا۔

قیامت اور مجازاۃ اعمال کی آٹھویں دلیل | انسانی افراد میں کچھ صالح ہیں اور کچھ

مفسد اس لئے تمام انسانی افراد ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں قیمتی اور اعلیٰ اجزار بھی ہیں. اور خسیس اور کم درجے کے اجزار بھی ہیں جس طرح گندم کے پودے میں خوشے کے اندر جو گندم کے دانے ہیں وہ قیمتی ہیں. اور باقی گندم کا پودا انسان کے کھانے کے لائق نہیں. بلکہ مویشیوں کی خوراک ہے اس لئے گندم کے پودوں کو کھلیان میں روندنا پڑتا ہے تاکہ اعلیٰ اور ادنیٰ اجزا یعنی دانہ اور بھوسہ الگ ہو جائے اور ہر ایک کو اس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے چنانچہ روندنے اور رگڑا رگڑے کے بعد ہوا کے ذریعہ بھوسہ اور غلّہ کو الگ الگ کر کے بھوسہ مویشیوں کے معدہ میں اور غلّہ انسان کے معدہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس طرح قیامت میں ابرار و فجّار، اخیار و اشرار کا میدانِ حشر کے کھلیان میں امتیاز ضروری ہے - وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰسٓ آیۃ ۵۹) اے مجرمو نیک کاروں سے الگ ہو جاؤ - اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا (النبا آیت ۱۷) نیک انسانوں کی جدائی اور الگ الگ کرنے کے دن کی تاریخ مقرر ہے تاکہ اخیار و صالح اجزا کو اس کے مناسب ٹھکانے یعنی جنّت میں پہنچا دیا جائے ... کہ یہ اس کا فطری مقام ہے اور اشرار کو ان کے ٹھکانے یعنی دوزخ میں پہنچا دیا جائے ... کہ ان کا فطری مقام یہی ہے جس سے نہ صرف قیامت ثابت ہوئی بلکہ جنت و دوزخ کا بھی ثبوت ہوا. گویا جنّت کو انسانی معدہ اور دوزخ کو حیوانی معدہ کی طرح سمجھو۔ اور ابرار و اشرار کو غلّہ اور بھوسے کی طرح سمجھ لو۔

قیامت اور مجازاۃ کی نویں دلیل انسان کی فطرت میں راحتِ خالصہ کی تڑپ اور مسرت کا ولولہ فطرۃً موجود ہے اور ہر فردِ انسانی کی یہ تمنّا اور آرزو ہے کہ اس کو خوشی نصیب ہو۔ اور غم و الم سے محفوظ رہے۔ یہ تمنّا تمام افراد اور سب اقوام کو ہے. کوئی فرد اور کوئی قوم ایسی نہیں جو اس تمنّا اور خواہش سے خالی ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ انسان کی فطری تمنّا ہے۔ جو فطرتِ انسانی کے لوازمات میں سے ہے۔ اب اس تمنّا کا پورا ہونا ممکن ہوگا یا ناممکن. ناممکن تو ہو نہیں سکتا کہ ناممکن امر کی خواہش پر تمام افرادِ انسانی متفق نہیں ہو سکتے مثلاً انسان کیلئے اس دنیا میں سانس لئے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہے۔ تو ایک انسان بھی ایسا دستیاب نہیں ہو سکتا کہ اس کی یہ تمنّا ہو کہ وہ سانس کا محتاج نہ رہے۔ اور زندگی گذارے

اس لئے راحتِ خالصہ کی تمنّا امر ممکن ہے۔ ورنہ اس کی خواہش پر تمام انسان کیوں متفق ہوتے
اب جب ممکن ہوئی تو اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا یہ تمنّا اس دنیا کی زندگی میں پوری ہو سکتی ہے؟
قطعًا پوری نہیں ہو سکتی اب اگر دنیا کے سوا کوئی اور جہاں یا دور زندگی ایسا نہ ہو جس میں
یہ تمنّا پوری ہو سکے تو یہ خلاف فطرت اور خلاف عقل ہے کہ قدرت کیطرف سے ایک اعلیٰ فطری
جذبے کی تکمیل کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اور پھر بھی اسی جذبہ کو قدرت نے فطرتِ انسانی میں
گاڑ دیا ہو۔ جس کے تمام دیگر فطری جذبات، خوراک، پینا، سانس لینا، نکاح کرنا سب کے
لئے قدرت نے انتظام مہیّا کیا ہے اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ جذبۂ راحت خالصہ اور
غم سے نجات کا انتظام بھی اس نے کیا ہے۔ لیکن دنیا میں نہیں کسی اور دورِ زندگی میں۔ دنیا
میں ایسا انتظام ممکن نہیں، زمین کا دائرہ تنگ ہے اور دنیا عالم کون و فساد و تغیرات
ہے۔ اس میں ایک بادشاہ کے لئے بھی خالص خوشی، اور غم سے نجات ناممکن ہے۔ بادشاہ
بوڑھا ہوتا ہے جو جوانی کی نسبت غم ہے اور ضرر ہے بیمار ہوتا ہے جو صحت کی نسبت غم اور ضرر ہے
دشمن کا خطرہ اور رعیت کی بغاوت کا اندیشہ بھی ہوتا ہے جو غم ہے اور سب سے بڑھ کر خویش واقارب
اس کے مرتے ہیں۔ جو غم ہیں۔ اور مزید برآں خود بھی اس کو موت پیش آتی ہے جو تمام غموں سے
بڑھ کر ہے۔ یہ سب تغیرات اس دار الفنا کے لئے امور لازمہ ہیں اور اس جہاں کی زندگی کیلئے
ضروری اجزاء ہیں جو اس سے جدا نہیں ہو سکتے جیسے گرمی آگ سے جدا نہیں ہو سکتی۔ دنیا تنگ
ہے اگر موجودہ لوگ زندہ رہیں اور نئے بھی پیدا ہوں تو زمین میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہے گی۔ اور
نقل و حرکت اور غذا کے لئے زراعت کا نظام معطل ہو جائے گا۔ اس لئے اس جہاں کا ختم ہونا
اور ایک وسیع جہاں کا موجود کرنا ضروری ہے۔ تاکہ یہ فطری تمنّا پوری ہو سکے۔ اس جہان فانی کا ختم
کرنا اور جہانِ بقا کو موجود کرنے کا نام قیامت ہے۔ جس میں ابدی اعمال کے بدلے اور جزا میں جنت
کی زندگی نصیب ہو کر اس فطری تمنّا انسان کی تکمیل ہوگی۔ کیونکہ جنت میں قرآنی بیان کے مطابق
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ آیت ۳۸) نہ کسی کو غم ہوگا اور نہ کسی ڈر کا
اندیشہ، وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ حٰم سجدہ آیت ۳۱)
تم کامل انسان کے لئے جنت میں وہ سب کچھ ملے گا۔ جو تمہارا جی چاہے اور جس کو تم طلب کرو گے

وہاں جوانی ہوگی بڑھاپا نہ ہوگا۔ صحت ہوگی مرض نہ ہوگا۔ غنا ہوگا۔ محتاجی نہ ہوگی۔ زندگی ہوگی موت نہ ہوگی۔ جس سے آخرت قیامت اور جنّت کا ثبوت عقلاً ثابت ہوا۔ اور جب جنت مرکز مسرت و خوشحالی ہوگی تو جنت کی ضد دوزخ بھی خدا اور آخرت فراموشوں کے لئے ہوگی جس میں راحت کا نام و نشان نہ ہوگا۔ اور مصائب و آلام کا مرکز دائمی ہوگا۔ کیونکہ ضد کے ساتھ دوسری ضد نظام قدرت وعدالت کے تحت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو قوم جنّت کی قائل ہے وہ دوزخ کو بھی مانتی ہے سردی کے مقابلے میں گرمی۔ رات کی تاریکی کے مقابلے میں روشنی کا وجود ضروری ہے کہ یہ جنت و دوزخ کے اعمال دنیا کے نتائج ہیں۔ دنیا عالم اضداد تھی تو نتائج کا بھی متضاد ہونا لازمی ہے! اعمال میں ایمان اور اس کے مقابلے میں کفر، طاعت کے مقابلے میں گناہ اور معصیت۔ عدل کے مقابلے میں ظلم موجود ہوتا تھا۔ جو باہم متضاد تھے تو ان کے نتائج میں بھی بشکل دوزخ و جنت، غم و خوشی کا تضاد ضروری ہے۔

قیامت اور مجازاۃ اعمال کی دوسری دلیل

اصلاح بشری تمام اقوام عالم کو محبوب ہے کہ کوئی انسان نہ خدا کا حق تلف کردے اور نہ انسانوں کا حق تلف کردے تاکہ انسانی زندگی امن و اطمینان اور خوشحالی کے ساتھ گذرے۔ اس لئے مختلف اقوام نے بشری اصلاح کیلئے مختلف انتظامات ہر دور میں کئے ہیں۔ اور مختلف ادارے بنائے ہیں۔ لیکن اصلاح وجود میں نہ آئی۔ اصلاح کے عقلی اسباب تین ہیں

۱۔ تعلیم، قانونِ ۲ حکومت اور عقیدہ ۳ مجازاتِ اعمال۔

۱۔ پہلا سبب یعنی تعلیم سے انسان نیک و بد سے واقف تو ہو جاتا ہے۔ لیکن تعلیم انسان کو آمادۂ عمل نہیں بنا سکتی۔ نیک اور بد جاننا اور چیز ہے۔ نیکی کرنا اور بدی چھوڑنا اور چیز ہے تعلیم سے پہلی چیز حاصل ہوتی ہے دوسری نہیں۔

۲۔ دوسرا سبب قانون بھی اصلاح بشری کے سلسلے میں سو فیصدی کامیاب نہیں کیونکہ جرائم کا ارتکاب روح کرتی ہے اور جب تک روح میں پاکیزگی اور انقلاب پیدا نہ ہو تو جرائم بدستور صادر ہوتے رہیں گے۔ قانون مجرم کو سزا دینے میں پوری طرح کامیاب نہیں۔

۱۔ ہر جگہ قانون کی حکومت نہیں ہوتی۔ آزاد علاقوں میں نہ قانون ہے نہ حکومت۔

۲۔ اگر کہیں حکومت اور قانون موجود ہو تو بسا اوقات مجرم جرائم کا ارتکاب ایسی جگہ اور ایسے وقت میں کرتا ہے کہ کوئی گواہ اور شاہد موجود نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں وہ قانونی سزا سے بچ جاتا ہے۔ اور اصلاح کا کام ناتمام ہی رہ جاتا ہے۔

۳۔ اگر گواہ موجود ہوں تو ایسے مواقع بھی پیش آجاتے ہیں کہ گواہ سچی گواہی دینے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا

۴۔ اگر کسی وقت شہادت کے لئے آمادہ بھی ہوجائے تو مدعا علیہ کی طرف سے ترغیب یا ترہیب یعنی مالی لالچ یا ضرر رسانی کی دھمکی اس کو سچی شہادت سے روک دیتی ہے۔

۵۔ اگر سچی شہادت دینے کی نوبت آ بھی جائے تو فریق مخالف کے وکیل گواہوں پر جرح کرکے گواہوں کو مشکوک بناکر شہادت کو بے اثر کردیتے ہیں جس سے مجرم سزا سے بچ جاتا ہے

۶۔ اگر بالفرض جرح کے بعد بھی شہادت درست ثابت ہوئی تو فیصلہ جج کے ہاتھ میں ہے۔ وہ غلطی بھی کرسکتا ہے۔ خاص کر جب روح میں تقویٰ نہ ہو۔ اور رشوت وسفارش کے تاثر سے متاثر بھی ہوسکتا ہے۔ جس سے مجرم سزایابی سے بری ہوسکتا ہے۔

۷۔ اگر بالفرض سزا ہوئی بھی تو ضروری نہیں کہ وہ سزا جرم کی نوعیت کی سنگین انداز پر ہو

ان سب احتمالات کے ہوتے ہوئے قانون کس طرح جرائم کو روک سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ قانون اور سزاؤں کے باوجود جرائم اور قیدیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے اسی لئے اصلاح بشری کا کام قلب وضمیر سے شروع کرنا ضروری ہے۔ تاکہ جرائم صادر نہ ہونے پائیں۔ اور صدور کی صورت میں اس کو ہر حال میں سزا دی جائے۔

اصلاح کی بنیاد قلب وضمیر میں عقیدہ مجازاۃ اعمال کی پختگی اور یقین قیامت ہے جس سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہر جرم اور حق تلفی درحقیقت اپنی تباہی آخرت کا سامان کرنا ہے اور چند روزہ فانی فوائد کے بدلے دوامی مصیبت میں مبتلا ہونا ہے۔ جو کسی عقلمند کا کام نہیں یہی عقیدہ مجازاۃ تھا جس نے ڈاکوؤں اور رہزنوں کو فرشتہ خصلت بنایا اور اسی عقیدے کی پختگی سے جن کے دل ودماغ روشن ہوئے۔ وہاں سے جرائم، ظلم اور حق تلفی کا نام ونشان مٹ گیا۔ اصلاح بشری کا یہی واحد مجرب نسخہ ہے جس نے تجربات اور مشاہدات کے ذریعے

اپنے اصلاحی اثرات سے دنیا کو روشناس کیا ہے۔ اس لئے اصلاحِ بشری کے زاویہ نگاہ سے قیامت اور مجازاۃ اعمال کا وجود یقینی ہے۔ ورنہ اس یقین نہ ہونے کی صورت میں انسانیت اغراض اور مفادات اور جلب منفعت اور خون ریزی کا مجسمہ بن کر دنیا کو جہنم کدہ بنا دے گی اور بنا چکی ہے۔

قیامت اور مجازات کی گیارہویں دلیل

انسان کائنات کا قیمتی جز ہے۔ لیکن اسکی عمر اور حیات مختصر ہے۔ آسمان، زمین، پہاڑ طویل اور دراز مدت سے قائم ہیں۔ لیکن انسان کی زندگی ایک مختصر شعلہ ہے۔ جو موت کے ایک جھونکے سے بجھ جاتا ہے۔ حالانکہ اگر کسی آدمی کے گھر ایک برتن مٹی کا ہو اور دوسرا سونے کا، تو سونے کا برتن دیر پا ہو گا۔ کہ اگر کوئی مالک اپنے سے قیمتی چیز جلد جدا نہیں کرتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی یہی مختصر دنیوی زندگی نہیں بلکہ یہ انسان کی اس ابدی زندگی کی تمہید ہے جو اس کو جہانِ آخرت یعنی بعد از قیامت بطور جزا اعمال کے نصیب ہو گی وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان دنی اخروی زندگی انسان کی حقیقی زندگی ہے جس کو زوال نہیں اور جس کی عمر لامحدود ہے۔ تاکہ قیمتی انسان کی درازی عمر دیگر کائنات کی نسبت زیادہ ثابت ہو سکے۔ اور قیمتی اشیا کی دراز عمر کا ضابطہ خسیس اشیاء کے مقابلے میں پورا ہو سکے۔

مجازاۃ و قیامت کی بارہویں دلیل جدید سائنس کے تحت

ڈاکٹر فرائڈ لکھتا ہے۔

جدید روشنی میں انسان کی شخصیت کا ظہور تین چیزوں سے ہوتا ہے۔ (۱) نیت (۲) قول۔ (۳) فعل۔

نیت انسانی نفس کے تحت شعور میں محفوظ ہے۔ جب وہ کسی خیال کو بھولتا ہے۔ اور پھر نیند میں دیکھتا ہے تو اس کو یاد آجاتا ہے۔ اور قول ہوائی تموجات میں محفوظ ہے۔ جو ریڈیائی نظام کے ذریعہ منتقل ہو سکتا ہے جس کی رفتار فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے تمام اقوال فضا میں محفوظ ہیں۔ لیکن وہ باہم مخلوط ہیں۔ تاہنوز آلۂ امتیاز ایجاد نہیں ہوا ممکن ہے کہ آئندہ ایجاد ہو سکے۔ برخلاف ریڈیائی نظام کے کہ وہ طول میں مختلف لائنوں پر سوئی منطبق کر دینے سے مختلف جگہوں سے آوازوں کو منتقل کرتا ہے۔ اور اختلاط نہیں ہوتا کیونکہ

ہوائی لہریں طول میں جدا ہیں ۔ اسی طرح ہر فعل فضا میں ایک حرارت چھوڑ جاتا ہے جو
قریب زمانہ میں جدید علم میں معلوم ہو سکتا ہے ۔ لیکن دراز زمانہ گذرنے کے بعد ایسا آلہ
اس وقت نہیں کہ ان افعال کو فضا سے لیا جا سکے ممکن ہے کہ مستقبل میں ایسا ہو سکے اس سے
آخرت کا وجود درست ثابت ہوتا ہے جس میں نیت قول اور فعل پر جو محفوظ ہیں ان کے
نتائج مرتب ہو سکیں ۔ اس کے علاوہ ماہرین ارضیات کی تحقیق کے مطابق بطن زمین میں
تیرہ سو درجہ گرمی موجود ہے ۔ حالانکہ پانی ابالنے کیلئے سو درجہ گرمی کافی ہے ۔ اس کے علاوہ
سالانہ زمین سے ہزاروں زلزلے پیدا ہوتے ہیں بعض محسوس بعض نامحسوس ۔ یہ بھی اس
اندرونِ زمین کی گرمی سے پیدا ہوتے ہیں ۔ سمندروں کا کھارا پن وغیرہ یہ سب اس امر کی دلیل
ہے کہ جہنم زمین اور سمندر کے نیچے ہیں اور یہ سب جہنمی اثرات ہیں ؞

(بقیہ ص۲۳ کا) اپنی صاحبزادی سے فرما دیجئے کہ تلاوت کلام مجید حسب مہلت اور صبح و شام
درود استغفار سبحان اللہ والحمد للہ لا الٰہ الا اللہ اللہ اکبر ایک ایک تسبیح پڑھ لیا کریں ۔
نکاح لڑکی کا کر دیجئے ۔ جہیز کی کوئی مقدار نہ کوئی وقت ضروری ۔ جو بسہولت میسر ہو ۔ اب
یا دوسرے وقت دیدیا جائے ۔ مہر کی مقدار کو کم رکھنا بہتر ہے لیکن کوئی مصلحت درپیش
ہو تو پانچ صد سے بڑھا دینا مضائقہ نہیں ۔ باقی خیریت ہے

والسّلام فقط ۔

بندہ محمود دیوبند سشنبہ

مکتوباتِ حضرت شیخ الہند

مکتوب (۶)

بنام مولانا حکیم محمد حسن صاحب[1] مدرّس و طبیب دار العلوم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین۔

اخ معظم ------ اکرمکم اللہ وسلّم

کل انتظار مدید کے بعد آپ کا خط ساتویں جمادی الاولیٰ کو لکھا ہوا ہم کو مالٹا میں ملا سب کی خیریت مجمل معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ الحمد للہ عزیز مسعود[2] کے بعد چھ ماہ میں آپ کا خط آیا۔ بہت غنیمت معلوم ہوا بقول شخصے ؎

یوں اسیرانِ قفس تک پہونچا کوئی گلبرگ جیسے غربت میں شفیقانِ وطن کا کاغذ

چند خطوط بعض رفقار نے اور بھی روانہ کئے ہیں غالباً پہونچے ہوں گے۔ بالجملہ ہم سب بحمد للہ خیریت سے ہیں اور راحت سے ہیں آپکو خط لکھنے[3] کے پندرہ۔ بیس روز بعد یہ ہوا کہ ہم لوگ مصر سے کچھ ترقی کر کے مالٹا آ گئے مسافت تو کچھ بڑھ گئی مگر تکلیف کچھ نہیں بلکہ یہاں راحت زیادہ ہے۔ الحمد للہ گو اس عرصہ میں حالاتِ وطن سے بے خبری رہی مگر دور دراز کے وہ حالات معلوم ہوئے جو خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔ آدمی جب تک زندہ ہے حرکتِ زمانی تو کسی وقت رکتی نہیں

---

[1] مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ (متوفی ۱۵ ربیع الاوّل ۱۳۴۵ھ) شیخ الہندؒ کے حقیقی بھائی تھے۔

[2] مولانا قاضی مسعود احمد صاحبؒ نائب مفتی دار العلوم دیوبند (متوفی ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ) حضرت شیخ الہندؒ کے حقیقی بھانجے اور داماد ہوتے ہیں شیخ الہندؒ کی چھوٹی صاحبزادی آپ ہی سے منسوب تھیں قاضی صاحب حج کرنے کے بعد تشریف لے آئے تھے اس کی طرف اشارہ ہے۔ [3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے مصر کے قید خانہ سے بھی کوئی مکتوب ارسال فرمایا تھا۔

مگر حرکت زمانی اور مکانی دونوں مل کر بہت سے انکشافاتِ جدیدہ کی موجب ہوگئیں۔

تبدی لك الایام ماکنت جاھلا

ویاتیك بالاخبار من لم تزود ،،

ترجمہ:۔ عنقریب زمانہ بہت سی نامعلوم باتیں تجھ پر ظاہر کردے گا اور تجھے وہ شخص خبر دیگا جسے تونے کوئی توشہ اور اُجرت بھی نہیں دی۔ متعدد اسباق و دیگر مشاغل میں اچھی طرح گذررہی ہے ادھر۔ وترجعون من اللہ ما لا یرجون کا مبارک سلسلہ بھی ایسا نہیں کہ جو کسی وقت منقطع ہوجائے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ گھر میں سب کو اور مکان میں بچوں کو سلام کہدینا۔ فقط والسلام

بندہ محمود عفی عنہ

مکتوب نمبر (۷)

بنام قاضی مظہر حسن رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مخدوم و مطاع بندہ جناب بھائی صاحب دام مجدکم

احقر محمود سلام مسنون کے بعد عرض رساہے میں کل پنجشنبہ کو بمبئی مع الخیر پہونچا سب رفقاء خیریت سے ہیں۔ آج آپ کا گرامی نامہ موجبِ اعزاز ہوا احقر آپ کے لئے اور آپ کے جملہ امور کیلئے دست بدُعا ہے جناب بھی دُعاء سے یاد فرماتے رہیں۔ مولوی محمد یحییٰ[۲]، حافظ محمد یونس، مسعود احمد، سعید احمد اور گھر سب سے سلام و دُعاء فرمادینا ہمارے یہاں بھی جناب کی توجہ اور نگرانی کی حاجت ہے۔ عزیزم منشی نذر حسین صاحب کو سلام سب بچوں اور گھر میں دُعاء خط ان کا پہونچا دُعا کرتا ہوں والسلام فقط

بندہ محمود عفی عنہ بمبئی جمعہ

---

[۱] قاضی مظہر حسن صاحبؒ رئیس دیوبند (متوفی ۹ شعبان ۱۳۵۰ھ) ۱۳۲۳ھ سے تا وفات دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔ قاضی مظہر حسن صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کے حقیقی بہنوئی ہوتے ہیں

[۲] مولوی محمد یحییٰؒ (متوفی اپریل ۱۹۳۶ء)، حافظ محمد یونسؒ (متوفی ۱۲ نومبر ۱۹۴۲ء) مولانا مسعود احمدؒ (متوفی ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ) مولانا سعید احمدؒ (متوفی ۲۵ رجب ۱۳۸۳ھ) یہ چاروں حضرات حضرت شیخ الہندؒ

مکتوب نمبر ۸

مخدوم و مطاعم جناب بھائی مظہر حسن صاحب دام ظلکم

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد عرض رسا ہے والا نامہ موجب عزت ہوا بندہ بحمد اللہ خیریت سے ہے محمد حنیف[1] کے خط سے حالِ مرض اہلیہ جناب کا معلوم ہو کر فکر تھا اب جو خط آئے اُن سے حالِ انتقال معلوم ہو کر ملال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور سب کو صبر دے معلوم نہیں حافظ مختار کہاں ہیں اور کیا کرتا ہے گھر سب سے سلام و دُعاء فرما دینا۔ ہمارے یہاں خرچ کی ضرورت ہو تو آپ اُن کو دیدیں انشاء اللہ ادا ہو جاویگا مولوی حسین احمد، مولوی عزیز گل، مولوی وحید سلام عرض کرتے ہیں۔ مکرمی مولوی الطاف[2] کریم صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دینا والسلام فقط

بندہ محمود عفی عنہ ۱۹ ر ذی قعدہ

مقدمات کی حالت معلوم ہوئی اللہ تعالیٰ فضل فرما دے۔ اللہ کی رحمت پر نظر رکھو، گھبراؤ مت۔

مکتوب نمبر ۹

بنام مولوی سعید[3] احمد صاحب دیوبندی

عزیز دلم مولوی سعید احمد عرف کلو سلمہ اللہ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط آیا حالت معلوم ہوئی اس سے پہلے بھی تمہارا خط آیا تھا جس کا جواب مولوی ہادی[4] حسن صاحب کے ہاتھ روانہ کر چکا ہوں اب تمہارا دوسرا خط مفصل پہونچا پڑھ کر خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ تم کو بہمہ وجوہ

---

[1] مولوی محمد حنیفؒ (متوفی ۲۳ محرم ۱۳۴۳ھ) حضرت شیخ الہندؒ کے حقیقی بھانجے اور داماد ہوتے ہیں۔

[2] شیخ الطاف کریم صدیقیؒ (متوفی ۲ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ) قاضی مظہر حسن صاحبؒ کے داماد ہوتے ہیں ۱۲۔

[3] مولوی سعید احمدؒ (متوفی ۲۵ رجب ۱۳۸۳ھ) حضرت شیخ الہندؒ کے چھوٹے بھانجے تھے۔ اپنے ماموں شیخ الہندؒ سے بیعت تھے اور سچ پوچھو تو ان کے عاشق تھے۔ شیخ الہندؒ کا نام آتے ہی آنسو جاری ہو جاتے تھے

[4] مولوی ہادی حسنؒ (متوفی شوال ۱۳۸۰ھ)

خیریت رکھے اور اپنی محبت عنایت فرمادے۔ دُعا بندہ بھی کرتا ہے جو کام کرتے ہو اس کو التزام اور شوق اور اطمینان سے کرو گھبراؤ مت۔ شوق اور التزام کے ساتھ کام کرنا ضروری بات ہے جلدی کرنا اور یہ توقع رکھنا کہ جھٹ پٹ کوئی مقصد حاصل ہو جاوے اس سے بھی نقصان ہوتا ہے بس صرف ذکر اللہ کو مقصود سمجھو اور اللہ کی رحمت سے امید رکھو واللہ رؤف بالعباد۔ علم کی خدمت بھی کرتے رہو۔ استغفار کی پانچ چار تسبیح تمام دن میں پوری کر لیا کرو۔ ان امور کو جو پہلے سے کر رہے ہو سب کو برابر کئے جاؤ اللہ تعالیٰ رحم فرمانے والا ہے۔ پریشان ہرگز مت ہو جناب بھائی صاحب کی خدمت میں سلام۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ اور حافظ محمد یونس اور گھر سب کو سلام کہدینا۔ اللہ تعالیٰ سب کو خیریت سے رکھے — والسلام فقط۔

مکتوب نمبر (۱۰)

بنام مولوی محمد حنیف صاحب دیوبندی

عزیز محترم اسعدکم اللہ واکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

پہلے بھی کئی خط روانہ کر چکا ہوں تمہارے بھی کئی خط آئے۔ بحمد اللہ خیریت سے ہوں اور جملہ رفقاء بھی خیریت سے ہیں۔ جمادی الثانی کے شروع پر تمہارا مرسلہ گوشت پہونچا عجب چیز معلوم ہوا کئی برس کے بعد گائے کا گوشت نظر آیا کچے میں کسی قدر بو آتی تھی مگر پکنے کے بعد اچھا ہو گیا مزے سے کھایا چونکہ گوشت کا قدرداں اور شائق اپنی جماعت میں صرف میں ہی ہوں اس لئے باوجود دانتوں کی کمزوری کے اوروں سے زیادہ کھایا تم نے جو چوغے بھیجے تھے ان کی رسید اسی وقت تمہارے پاس روانہ کر دی تھی۔ مولوی زاہد حسن صاحب امروہی نے سب کے واسطے متعدد کرتے اور پاجامے سلوا کر اور بہت سی چائے اور چانول وغیرہ اشیا بھیجی تھی اس کی رسید بھی ان کے نام روانہ کر چکا ہوں تمہارے پاس خط پہونچ جائے تو تم بھی ان کو مطلع کر دینا میرا سلام چھوٹوں بڑوں سبھی کو پہونچا دینا اور جملہ رفیق آپ کو سب کو سلام عرض کرتے ہیں۔ اسیروں کے متعلق تحریکات شروع ہیں حق سبحانہٗ کو منظور ہے تو جلد یا کچھ دیر کے بعد نتائج بھی ظاہر ہو جائیں گے اللہ بس باقی ہوس

والسلام ۴ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ

مکتوب نمبر ۱۱

بنام مولانا فتح الدین[1] صاحب رحمۃ اللہ علیہ[2]

مکرم سراپا فضل وعنایت زید مجدکم۔ بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے

آپ کا گرامی نامہ مولوی عبداللہ صاحب کی معرفت پہونچا۔ مولوی صاحب نے چند بار جواب کا تقاضا اور یاددہانی بھی کی۔ مگر حضر وسفر کے مشاغل کیوجہ سے جواب کی نوبت نہ آئی۔ مکرما کاہلی اور غفلت سخت مضر امر ہے آپ کو لازم ہے کہ ہمت کے ساتھ اپنے مشاغل اور اذکار کی طرف رجوع کریں اور بہتر ہو کہ شب جمعہ میں غسل کر کے دو رکعت خشوع کے ساتھ ادا کر کے اپنے اللہ سے توبہ کریں اور توفیق حسنات کی الحاح کے ساتھ دعا مانگیں اور کام التزام کے ساتھ شروع کردیں اور عزم وہمت کے ساتھ اپنے کام میں چست رہیں اور کاہلی کو پاس نہ آنے دیں۔ بندہ حقیر بھی آپ کے لئے دعا کرتا ہے۔ عشاء کے بعد یا حیّ یا قیوم برحمتک استغیث ایک سو ایک بار جہر کے ساتھ پڑھ لیا کریں یا حیّ کی ضرب قلب پر لگنی چاہئے۔ باقی اذکار فرمودہ حضرت اقدس کئے جاؤ۔ پریشان خوابوں کا فکر نہ کرو سونے کے وقت آیۃ الکرسی، سورہ فاتحہ، معوذتین پڑھ کر دم کر لیا کرو۔ اور کوئی خواب پریشان آوے تو فوراً لاحول ولا قوۃ اور تعوذ پڑھ کر قلب پر تھتکار دو اور کچھ پروا نہ کرو امر حق کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہ کرو اور اللہ پر توکل رکھو۔ آپ کو اللہ تعالیٰ شر مخالفین سے محفوظ رکھے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ لوگوں کے ساتھ اخلاق اور نرمی اور صبر وتحمل سے معاملہ کرو۔ کلمہ حق ضرور کہو مگر نرمی اور للہیت سے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے۔

اپنی اہلیہ سے بعد سلام مسنون کہدینا کہ مہلت ہو تو تمام دن رات میں ایک دفعہ یا مختلف اوقات میں اسم ذات یعنی لفظ اللہ کو چار ہزار مرتبہ پورا کریں۔ وہم اور وسوسہ بُری بلا ہے ہرگز ہرگز اس کا خیال نہ کریں اور دل میں ٹھہرا لو کہ جو چیز شریعت میں پاک ہے کسی وسوسہ سے وہ ناپاک نہیں ہوسکتی۔ بلکہ وسوسہ شیطانی ہے۔ خیال سے جب وسوسہ آئے تو لاحول پڑھو اور اس کو دفع کرو۔ ورنہ اور ترقی کریگا اور دفع کرنے سے انشاء اللہ جاتا رہے گا۔ (باقی صفحہ ۲۷)

---

[1] مولانا فتح الدین صاحبؒ۔ مولانا محمد صاحب انوری لائلپوری کے والد بزرگوار ہیں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے ہیں ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ میں وفات ہوئی۔ [2] مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

میلادِ نبوی سے متعلق بعض مرویات کی تحقیق

آج سے تقریباً ستر سال قبل مولانا ابوالکلام آزادؒ نے میلادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلے میں رائج الوقت روایتوں کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ایک قیمتی مقالہ اپنے مجلّہ الہلال میں شائع کیا تھا۔ اگرچہ مرتب القاسم کو مولانا آزادؒ کی تحقیقات سے اتفاق نہیں ہے پھر بھی مجموعی اعتبار سے یہ مقالہ اس لائق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اس لئے قارئین القاسم کی دلچسپی اور افادہ معلومات کی غرض سے یہ مضمون دو قسطوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

چند دنوں کے بعد ربیع الاوّل آنے والا ہے جبکہ مولود شریف کی مجلس جابجا منعقد ہوں گی۔ لیکن جس طریقے سے یہ مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور جو حالات و واقعات اس میں بیان کیے جاتے ہیں معلوم نہیں جناب کا خیال اس بارے میں کیا ہے لیکن میں تو اس کو نہایت افسوسناک سمجھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ یہی حالات و واقعات ہیں جنھوں نے حضرت بانیٔ اسلام کی پاک زندگی کے متعلق مخالفین کے دلوں میں شکوک پیدا کر رہے ہیں ایک مدت سے میرا خیال تھا کہ ایک مختصر رسالہ حضرت کے حالات میں جمع کروں جس کو مولود شریف کی مجلسوں میں پڑھا جائے لیکن جس طرح کے حالات کا متلاشی تھا وہ کہیں نہیں ملتے عرصہ ہوا۔ ایک رسالہ منشی امیر احمد مینائیؔ نے شائع کیا تھا اور لکھا تھا کہ حالاتِ زندگی ایک بہت بڑے عالم کی مدد سے لکھے گئے ہیں لیکن اس کو بھی دیکھا از سرتا پا وہی قصے بھرے تھے اس سال میں نے بطور مشورے کے ایک تحریر لکھی اور چند علمائے دین کو بغرض اصلاح سنائی۔ لیکن اس امر پر نہایت برہم و ناراض ہوئے کہ ذکر ولادت کے وہ واقعات اس میں نہ تھے جو کتب مولود میں بیان کیے گئے ہیں میں نے اس میں سے ایک صاحب تصنیف عالم صاحب سے عرض کیا کہ کیا یہ واقعات مستند تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں لکھے ہیں انھوں نے جواب میں لکھا کہ یہ تمام واقعات و معجزات صحیح ہیں جن کو تمام مؤرخین و محدثین نے ہمیشہ بیان کیا ہے۔ بڑے بڑے علماء دین اور اکابر اسلام نے ان کی تصدیق

فرمائی ہے، اور ان کو پڑھا ہے۔ اور مجلسوں میں سُنا ہے۔ البتہ آج کل کے نیچریوں اور لامذہبوں
کو ان کے ماننے میں تامل ہے۔ کیونکہ انگریزی کی کتابوں میں مرقوم نہیں۔ آپ ہمیشہ ہم انگریزی
دانوں کو الحاد اور مذہبی غفلت کا الزام دیتے ہیں لیکن جس انداز اور طریقہ سے دیتے ہیں
اس کی وجہ سے ہم نہایت خوش ہیں اور آپ کو اپنا خیر خواہ اور مصلح سمجھتے ہیں لیکن خدا کے
لئے اس بارے میں میری تشفی کر دیجیئے کہ آیا یہ واقعات واقعی مستند کتابوں میں مرقوم ہیں اور
ان میں شک کرنا نیچریت اور مذہب سے کنارہ کشی ہے اگر واقعہ ایسا ہی ہے۔ تو انصاف
کیجیئے کہ کیا یہ واقعات عقل میں آتے ہیں اور ان کو آجکل کوئی تسلیم کر سکتا ہے۔ معاف
فرمایئے گا۔ اگر ایسے واقعات سُنا کر آپ ہم کو دینی جذبات سے برگشتگی کا الزام دیتے
ہیں تو دیکھیئے ہماری سمجھ میں نہیں آتے وہ واقعات یہ ہیں (۱) جب حضرت کی ولادت کا
وقت قریب آیا تو ایک مرغ سفید نمودار ہوا۔ اور حضرت آمنہ کے پاس آیا۔ نیز اس شب کو
تمام جانوروں اور پرندوں نے گفتگو کی۔ (۲) حضرت مریم اور حضرت آسیہ کا ولادت سے
پہلے آنا اور بشارت دینا (۳) حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہوا تو دوسو عورتیں رشک
سے مر گئیں (۴) حضرت کی ولادت کے دن آتش کدۂ ایران بجھ گیا قصر نوشیرواں کے
کنگورے گر گئے۔ اور خانہ کعبہ کے بُت اوندھے ہو گئے (۵) ولادت کے بعد حضرت کچھ دیر کے
لئے غائب ہو گئے اور پھر کسی نے بہشتی کپڑوں میں لاکر رکھ دیا۔ (۶) روشنیوں کا نمودار ہونا
اور عجیب آوازوں کا سنائی دینا۔

الھلال آپ کا جوش دینی اور محبت ایمانی و فکر اصلاح مجالس ذکر مولا، مستحق
تحسین و لائق تشکر ہے" فجزاکم اللہ تعالیٰ۔ آپ نے ایک نہایت اہم۔ اور ضروری
بحث چھیڑ دی۔ جی چاہتا ہے کہ بلا تامل صفحے کے صفحے لکھ جاؤں لیکن افسوس کہ وقت اور
گنجائش سے مجبور ہوں لہذا چند کلمات مزودیہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

فضیلت مجالس ذکر (صلعم)

مولود کی مجالس کا عجیب حال ہے مقصد مجلس کے لحاظ سے دیکھئے تو فقیر کے اعتقاد میں
اس سے زیادہ اہم عظیم المنفعت اور قوم کے لئے ذریعہ ارشاد و ہدایت اور کوئی اجتماع نہیں

لیکن طریقۂ انعقاد پر نظر ڈالئے تو اجتماعی و مجلسی قوتوں کے ضائع کرنے کی بھی اس سے زیادہ اور کوئی افسوسناک مثال نہیں ملے گی اسلام ایک تعلیم تھی اور اس تعلیم کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃٌ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیراً (۳۳ - ۲۲) بیشک رسول اللہ کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے پیروی اور اتباع کا ایک بہترین نمونہ ہے جو اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بکثرت ذکر کرنے والے ہیں۔ حضرت (عائشہؓ) سے پوچھا گیا کہ اس صاحب خلق عظیم کا اخلاق کیا تھا۔ فرمایا خلقہ القرآن اگر آنحضرت کا اخلاق دیکھنا ہے تو قرآن کو دیکھو کہ اس کتاب مرقوم کا وہ ایک عملی مجسمہ اور اسکے عملی نمونے ایک لوح محفوظ ہے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون۔ (۸۳ - ۱۸) (۱) پس مولود کی مجلسوں کا اصلی مقصد یہ ہونا تھا کہ وہ اسوۂ حسنہ کے جمال الہی کی تجلی ہوتیں۔ آنحضرتؐ کے صحیح حالاتِ زندگی سنائے جاتے ان کے اخلاق عظیمہ اور خصائل کریمہ کے اتباع کی لوگوں کو دعوت دی جاتی۔ اور ان اعمال کا دلوں میں شوق و ولولہ پیدا کیا جاتا جو ایک مسلم اور مؤمن کی زندگی کے کیریکٹر کا اصلی مایۂ خمیر ہیں اور جن کے اتباع نے صحابۂ کرام کی زندگی کو اس درجہ تک پہونچا دیا تھا کہ لسان الہی نے یحبھم ویحبونہ کی صدائے محبت سے ان کی مدح سرائی کی اور اتباع مجبوب نے ان کو خود محبوب بنا دیا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفورٌ رحیمٌ۔ اے پیغمبر مدعیان محبت الہی سے کہدو کہ اگر تم واقعی۔ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمکو اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعوے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ خود اللہ تم کو محبوب بنالے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا وہ نہایت مہربان بخشنے والا ہے اگر ایسا ہوتا تو ظاہر ہے کہ ان مجالس سے بڑھکر مسلمانوں کے لیئے سعادتِ کونین کا ذریعہ اور کیا تھا یہ تمام کانفرنسیں اور انجمنیں جن کا چاروں طرف ہنگامہ بپا ہے ایک طرف اور اس مجلس کا ایک لمحہ ایک طرف جو اس اسوۂ حسنہ کے نظارے میں بسر ہو۔ ہماری مجلس اس ذکر کے لیئے ہونی چاہئیں۔ اور ہماری آنکھیں اس جمال جہاں آرا کے نظارے کے لیئے۔ ولنعم ما قیل۔

مصلحت دیدِ من آنست کہ یاراں ہمہ کار　　بگذارند خمِ طرۂ یارِ گیرند

لیکن بدبختی یہ ہے کہ ہمارے اعمال کی صورتیں اگرچہ مسخ نہیں ہوئی ہیں مگر حقیقت غارت ہوگئی ہے۔ قومی تنزل کے معنی یہی ہیں کہ تمام قومی و دینی اشغال بظاہر قائم رہتے ہیں لیکن ان کی روح مفقود ہوجاتی ہے یہ نہیں کہ ہماری مسجدیں اجڑ گئی ہوں۔ کتنے جھاڑ اور فانوس ہیں جن سے مسجدیں بقعۂ نور بنائی جاتی ہیں۔ مگر رونا یہ ہے کہ دلی اجڑ گئے ہیں اور یہ وہ بستی ہے جب یہ ویران ہوجائے تو پھر آبادی کہاں۔

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ مجھے کیا کہنا تھا اور کیا کہنے لگا۔ بہرحال مولود کی مجلسیں بھی اپنے مقصد کے لحاظ سے ایک بہترین دینی عمل تھا جس کی ضرورت تو قائم ہے مگر حقیقت مفقود محض ایک رسمی تقریب ہے جو شلی اور رسمی صحبتوں کے لئے ضروری سمجھ لی گئی ہیں اور امراء و رؤسا نے تو اپنی نمائش اور ریائے دولت کا اس کو بھی ایک ذریعہ بنالیا ہے۔ آنحضرتؐ کے صحیح حالاتِ زندگی اور ان انقلاباتِ عظیمہ کے بیان کی جگہ (جو آپ کی ولادت کے واقعہ نے مشرق و مغرب میں پیدا کر دئے) کتنے افسوس کی بات ہے کہ محض چند روایاتِ ضعیفہ و قصص موضوعہ کے بیان کرنے پر اتنے بڑے ملی و دینی جذبہ کو قربان کر دیا جاتا ہے اور پھر اگر محض طبقۂ عوام کا یہ حال ہو تو چنداں قابلِ شکایت نہیں۔ لیکن تعجب اور صد ہزار تعجب ہے اس بوالعجبی پر کہ صدہا علماء ملت جو باوجود ادعاء رسوخ حدیث وسیر، وسعتِ نظر و علم ان روایات کو خاموشی کے ساتھ سنتے ہیں خود پڑھتے ہیں اور لوگوں کو پڑھواتے ہیں مگر ایک لمحہ کے لئے بھی۔ ان کے دل میں تحقیق و تفتیش کی جنبش پیدا نہیں ہوتی۔

اِنَّ ھٰذا من اعاجیب الزمن

کاش جس قدر بحث نفس انعقاد اور مجلس کے سنت و بدعت ہونے کی نسبت کی گئی ہے۔

وہ اس مجلس کی اصلاح حال کیلئے کی جاتی وہ تمام چیزیں جو قوم میں شوق و شغف کے ساتھ موجود ہوں درحقیقت ایک قوت ہیں پس سب سے اوّل کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اسٹیم کو ضائع کرنے کی بجائے۔ اس سے مفید کام لیا جائے۔ البتہ اگر اصل کار ہی جادۂ شریعت سے منحرف ہو۔ اور صورتِ اصلاح مفقود ہو تو پھر اس کے استیصال کی کوشش امر بالمعروف میں داخل اور ناگزیر ہے۔

غفلت و مداہنتِ علماء و تشدد بے محل

ہزار تعجب ہے اس عالم صاحب تصنیف و تالیف کے دعوے علم پر جس کے جواب کے بعض جملوں کو آپ نے نقل کیا ہے۔ درحقیقت یہی وہ مذہب کے نادان حامی ہیں جن کی دوستانا حمایت ہمیشہ دشمنوں کی مخالفت سے زیادہ مذہب کے لئے مضر رہی ہے۔ جن روایات کی نسبت آپ نے تحقیق چاہی تھی۔ ان کا انکار نہ تیسری بت ہے نہ الحاد بلکہ عین شیوعِ اسلام و ایمان ہے اور وہ صاحبِ نظر جس کو فنِ حدیث و سیر سے کچھ بھی خبر ہو گی ایک لمحہ کے لئے بھی ان روایات کو تسلیم نہیں کرے گا۔ آپ اس سعی و کوشش کے لئے مستحق تحسین تھے افسوس کہ اس نادان مدعی علم نے تشدد مذہبی کا بے جا استعمال کیا ہے، حالانکہ جو محل استعمال ہیں ان کی ہمارے علماء خبر بھی نہیں لیتے بہت سے لوگ ہیں جو تشدد مذہبی اور تعصب دینی کو علماء حال کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر برسوں سے اس پر رو رہے ہیں لیکن میں اسے صحیح نہیں سمجھتا۔ **مجھکو تو شکایت ھے کہ جس درجہ تشدد مذھبی علماء میں ھونا چاھئے افسوس ھے کہ نہیں ھے**۔ صدہا امور ایسے ہیں جن سے صاف طور پر ان کے بے جا تسامح اور مداہنت کو دیکھ رہا ہوں اور حق و معروف کے اعلان سے دانستہ اعراض کیا جا رہا ہے البتہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن میں تشدد کا اظہار ہوتا ہے مگر چونکہ یہ اظہار بے محل ہوتا ہے اس لئے محض رائگاں جاتا ہے۔ بلکہ اکثر لوگوں میں مضر ہوتا ہے۔ ایک بہت بڑا نقطۂ عمل یہ ہے کہ ہر قوت کا استعمال اس کے صحیح محل میں ہو۔ آپ اسٹیم کو جس سے سمندروں میں جہاز خشکیوں میں ریل اور کارخانوں میں مشینیں چلتی ہیں ٹاٹ کی بوریوں میں بھر کر غبارہ بنانے کی کوشش نہیں کیجئے ورنہ آپ کی قوت اور سعی دونوں

ائیگاں جائے گی یہ اس ذکر کے چھیڑنے کا وقت نہیں۔ ورنہ بجائے خود ایک داستان
ولانی ہے۔ اپنی مصیبتوں کا حال یہ ہے کہ چادر کا کوئی گوشہ دھبے سے خالی نہیں کس کس
یز کو بیان کیجئے۔ کس کس کے حالات پر روئیے، اور پھر اتنا وقت کہاں سے لائیے۔

آسودہ شب باید و خوش مہتا بے
تا با تو حکایت کنم اظہر با بے !!

معیار تصدیق و تغلیط و اصول نقد روایات

لیکن ان روایات کی صحت و عدم صحت کی نسبت ضمناً جن خیالات کا آپ نے اظہار فرمایا ہے
فسوس کہ فقیر اس سے متفق نہیں۔ وہ ایک نہایت اصولی غلطی ہے جس میں زمانہ حال کے
زعیان تحقیق و اجتہاد اور رہروان جادۂ تطبیق عقل و نقل برسوں سے مبتلا ہیں۔ آپ نے
باربار اس سوال کو دہرایا ہے کہ اگر یہ روایات صحیح ہیں تو کیا عقل میں آسکتی ہیں جواباً گذارش
ہے کہ روایات یقیناً صحیح نہیں ہیں لیکن یہ اصول بھی کب صحیح ہے کہ جو واقعہ آپ کے عقل
یں نہ آئے وہ یکسر غلط و موضوع ہے آپ بلا تامل پوچھئے کہ یہ واقعات اصول فن روایات
ی بنا پر کہاں تک صحیح اور قابلِ قبول ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اتنا پوچھ
ینا ہی آپ کے مقصد کے حصول کے لئے کافی ہے لیکن یہ کہاں کا اصول تحقیق و معیار تمیز
ق و باطل ہے کہ واقعہ کی صحت کے لئے پہلی شرط آپ کے عقل کی تصدیق ہے۔ آپ لوگ
آج کل بے تکلف یہ جملہ کہدیا کرتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ کیسی خطرناک سوفسطائیت کی
راہ ہے جو اس طرح آپ کے سامنے کھل جاتی ہے۔ ہر واقعہ کی صحت و عدم صحت کے لئے پہلی
چیز اصول روایات اور صحت نقل کے شرائط کا اجتماع ہے اور بس نہ زید اور عمر کے عقل
یں آنا مجھکو یقین نہیں کہ ماروتی ٹیلیگرام کو آپ کی عقل تسلیم کرتی ہو۔ اور غالباً آپنے اب
ک اس کا عینی مشاہدہ بھی نہیں کیا ہوگا لیکن اوّل مرتبہ جب اس ایجاد کی خبر یورپ کے
سی مستند پرچے میں دیکھی ہوگی اور تمام اخباروں میں اس کی شہرت کا غلغلہ مچا ہوگا تو
فرمائیے آپ نے اس کی تصدیق کی تھی یا انکار، آپ کو معلوم نہیں کہ یہی وہ سرحد ہے۔

جہاں سے (باوجود اتحاد مقصد اصول) مجھے آج کل کے مصلحین مذہب سے الگ ہوجانا پڑجاتا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جس حدیث اور جس روایت کو اپنے خود ساختہ معیار عقلی سے ذرا بھی الگ پاتے ہیں فوراً اس سے انکار کر دینے کے لئے بے چین ہوجاتے ہیں اور پھر اس انکار محض کو تطبیق منقول و معقول کے مرعوب کن لفظ سے تعبیر کرنے کے اعلانیہ تمسخر سے نہیں شرماتے۔ وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم (۲۴ : ۱۵) حالانکہ اگر ان کو علوم دینیہ کے حصول کا موقع ملا ہوتا اور علم فن پر نظر ہوتی تو وہ دیکھتے کہ اسی مقصد کو اصول فن کے ساتھ چل کر بھی حاصل کر سکتے ہیں کیا ضرورت ہے۔ اس کی کہ ان روایات کی محض اس وجہ سے تغلیط کر دی جائے کہ وہ ہماری عقل میں نہیں آتیں۔ جب کہ ہم اصول مقررہ حدیث و آثار و طریقہ جرح و تعدیل روایت و تحقیق نقد درایت و شہادت موثقہ ارباب علم و فن کی بنا پر بغیر ادنی وقت کے ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ روایت ہی پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں اور اصول فن سے لائق احتیاج نہیں اور اس طرح بغیر سر رشتہ اصول کو ہاتھ سے دئے اس منزل مقصود تک پہونچ سکتے ہیں معلوم نہیں آپ نے میری گذارش کو سمجھا بھی یا نہیں میں کہتا ہوں کہ بہت سی باتیں ہیں جن سے انکار کرنے میں ممکن ہے کہ آپ کے مصلحین حال اور ہم متفق ہوں لیکن پھر ہم میں اور ان میں بعد المشرقین ہے وہ محض اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ ان کی عقل میں نہیں آتیں۔ اور ہم اس لئے انکار کرتے ہیں کہ اصول فن سے ان کا قابل تسلیم ہونا ثابت نہیں۔ فَایُّ الفریقین احقُّ بالامن اِن کنتم تعلمون ٥ آپ کہیں گے کہ نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ میں کہوں گا کہ منزل تک پہونچنے ہی پر سفر کی کامیابی موقوف نہیں ہے بلکہ بہت کچھ راہ سفر کے تعین و انتخاب پر بھی ہے

وشتان ما بین خل وخمر

آپ کو نہیں معلوم صدہا باتیں ہیں کہ آج کل کے مصلحین بھی کہتے ہیں اور انہیں کو امام غزالی اور شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہما نے بھی کہا ہے۔ مگر پھر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ایک سے الحاد پرورش پاتا ہے اور دوسرے سے مذہب کو تقویت ہوتی ہے۔ حالانکہ مقصود پہلی جماعت کا بھی تقریب مذہب ہے۔ یہ فرق حالت بھی زیادہ تر اسی اختلاف طریق کا نتیجہ ہے

آپ لوگوں کو شکایت ہے کہ علماء آجکل کی چیزوں پر متوجہ نہیں ہوتے یہ سچ ہے مگر اس کو بھی تو دیکھئے کہ آپ لوگوں نے ان کی نظروں کو متوجہ کرنے ہی کا کون سا سامان کیا ہے یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ جس چیز کو آپ تطبیق عقل ونقل کہتے ہیں وہ صرف ایک تیز وبرق خرام قینچی ہے جس کو آپ نے اٹھایا اور بے تکان قطع وبرید شروع کردی نہ علم و فن سے مَس ہے۔ نہ اصول و قواعد کی خبر ہے۔ نہ کتابوں پر نظر ہے۔ اور نہ اس زبان سے واقفیت ہے جس سے قرآن وحدیث کو الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پھر وہ آپ کی وقعت کریں تو کیا کریں گو میں اپنے عقیدے میں اس اغماز کو بھی علماء کی ایک سخت غلطی سمجھتا ہوں اور بیان وجوہ کا یہ موقع نہیں تاہم اگر وہ اپنے اغماز کی یہ توجیہ کریں تو آپ کیا جواب دیں گے میں جو ہمیشہ (شیخ محمد عبدہ) اور ان کے متبع طریقت (سید رشید رضا) کی تعریف کرتا ہوں تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بہ نسبت ہندوستانی مصلحین جدید کے اس نقطہ کا زیادہ خیال رکھا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس کے سامنے بھی وہی تھی جو یہاں درپیش ہے اب اپنے سوالات کا جواب لیں عقل وتفلسف کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔ سرے سے یہ تمام روایتیں ہی از قبیل قصص وحکایات موضوعہ ہیں۔ جن کا کتب معتبرہ حدیث میں نام ونشان تک نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۲ کا) دائمی ہوتیں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا، لیکن قمری تاریخ چونکہ ہر موسم کا چکر لگاتی رہتی ہے اس لئے ایسی کوئی پریشانی پیش نہیں آتی۔ یہاں یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ اوسطاً آدمی کی عمر میں ایک بار یہ عبادتیں ہر موسم میں واقع ہوجاتی ہیں کیونکہ شرعاً عمر تکلیف پندرہ ۱۵ سال ہے یعنی ایک انسان احکام خداوندی کا مکلف پندرہ سال کی عمر میں قرار پاتا ہے اور قمری تاریخ سالانہ موسم کا ایک دور ۳۳ سال میں پورا کرلیتی ہے گویا اڑتالیس ۴۸ سال کی عمر میں یہ عبادتیں ہر موسم میں واقع ہوجاتی ہیں اور آدمی کی زندگی ہر عبادت کو سال کے متفرق حصوں (موسموں) میں پالیتی ہے یہ وہ اسباب ووجوہ ہیں جنکی بناء پر شریعت اسلام نے شمسی تاریخ کی بجائے قمری تاریخ کو اختیار کیا ہے۔

از ادارہ

احوال دارالعلوم دیوبند

۱۳؍اکتوبر ۱۹۸۱ء کے منصوبہ بند ہنگامہ اور بلا اختیار غلط طور پر مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو پی۔ اے۔ سی کے حوالہ کر دینے کے بعد دارالعلوم کی نام نہاد انتظامیہ مسلسل اس کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ کسی طرح مظلوم و بے بس طلبہ اور ان کے ہمدرد اساتذہ کو جھوٹے پروپگنڈہ کے زور پر دنیا کے سامنے مفسد و ظالم ثابت کر دے۔ اس ناروا اور ناجائز کام پر ملت کا سرمایہ جو دارالعلوم میں تعلیم کتاب و سنت اور تبلیغ دین متین کے لئے جمع کیا گیا تھا جھوٹے بیانات اور حیا سوز پوسٹروں کی نشر و اشاعت پر انتہائی بیدردی کے ساتھ برباد کیا جارہا ہے۔ افسوس اور رنج تو اس پر ہے کہ یہ سب کچھ ایک ایسی شخصیت کی سربراہی میں ہو رہا ہے جس کے علم و حکمت اور تقدس کی کل تک قسمیں کھائی جارہی تھیں۔ لیکن کیا کیجئے۔ الحق یعلو ولا یعلی حق دبانے سے بجائے دبنے کے اور ابھرتا ہے دارالعلوم کا یہ بے پناہ سرمایہ بھی ان کے ظلم و ستم اور جور و تشدد پر پردہ نہ ڈال سکا۔ اور عوام کی عدالت نے اپنا بے لاگ فیصلہ صادر کر دیا کہ رسول خدا کے مہمانوں اور ملت کے نونہالوں پر گولیاں برسانے والے ہی لاریب ظالم و ستمگر ہیں۔

عوامی عدالت میں شکست کھاجانے کے بعد اخلاقی اور شرعی اعتبار سے ان پر لازم تھا کہ دارالعلوم پر رحم کھاتے اور اسلاف کی اس عظیم و بے مثال یادگار کو اپنی ہوس اقتدار پر بھینٹ چڑھانے کے بجائے اسے مجلس شوریٰ کے جو دارالعلوم کی سب سے اعلیٰ نگراں باڈی ہے۔ حوالے کر کے دستبردار ہو جاتے لیکن ناجائز اقتدار کے متوالے اور نشۂ دولت سے سرشار اپنے اعمال پر شرمندہ و نادم کیا ہوتے الٹے سرکاری عدالت میں پہنچ گئے اور ۲۱؍نومبر ۱۹۸۱ء کو دہلی ہائی کورٹ میں خود مجلس شوریٰ پر دعویٰ دائر کر کے ہونے والے اجلاس شوریٰ کے

خلاف (واسطے) حکم امتناعی حاصل کرنے کی تگ و دو شروع کردی، لیکن اس محاذ پر بھی انھیں زک اٹھانی پڑی اور حق ہی سربلند رہا۔ عدالت عالیہ نے حکم امتناعی جاری کرنے سے انکار کردیا اور تاریخ مقررہ ۲۹، ۳۰ رنومبر ۱۹۸۰ء کو شوریٰ کا اجلاس اپنے روایتی انداز کے مطابق نہایت پرسکون و پرامن طور پر ہوا۔ البتہ دارالعلوم کے مہمان خانہ میں یہ اجلاس نہ ہوسکا بلکہ پی، ڈبلو، ڈی دیوبند کے بنگلہ میں ہوا کیونکہ آجکل مہمان خانہ اور دارالعلوم کی چہار دیواری کے اندر غیر سماجی عناصر کا راج ہے اور اس موقع پر ان سے مزاحمت مناسب نہیں تھی اور نہ معزز ارکان شوریٰ ایسے گئے گذرے لوگوں کے منہ لگنا پسند کرتے تھے۔

مجلس شوریٰ کے اس دو روزہ اجلاس میں حسب ذیل ارکان شوریٰ شریک ہوئے۔

(۱) محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی۔ (۲) حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی
(۳) حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی۔ (۴) حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی
(۵) حضرت مولانا سعید بزرگ صاحب ڈابھیل (۶) حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری۔
(۷) حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری (۸) حضرت مولانا عبدالقادر صاحب مالیگاؤں
(۹) جناب الحاج نواب عبیدالرحمٰن خانصاحب شیروانی علیگڈھ (۱۰) جناب حاجی علاؤالدین صاحب بمبئی
(۱۱) حضرت مولانا محمد عثمان صاحب دیوبندی (۱۲) حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر مدرس نائب مہتمم

شوریٰ کی کارروائی شروع کرنے سے پہلے مجلس نے مناسب سمجھا کہ جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب کو مجلس میں شرکت کا دعوت نامہ ایک بار اور بھیجا جائے چنانچہ رجسٹری اور دو ٹیلیگرام کے بعد یہ تیسرا دعوت نامہ دستی بھیجا گیا جس میں شرکت کی اپیل کے ساتھ کارروائی رجسٹر اور گذشتہ شوریٰ کی مصدقہ تجاویز طلب کی گئی تھیں مگر حضرات ارکان شوریٰ کی یہ ساری کوششیں بے سود رہیں اور مہتمم صاحب نے گھر پر موجود رہنے کے باوجود شوریٰ کے اجلاس میں شرکت نہیں کی۔ مجبوراً ارکان شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ مجلس شوریٰ کی کارروائیوں کو نوٹ کرنے کیلئے ایک نیا رجسٹر جاری کیا جائے اور اسے مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم کی تحویل میں رکھا جائے۔ چنانچہ تجویز کے مطابق اسی وقت نیا رجسٹر جاری کرکے کارروائی شروع کردی گئی۔

ارکان شوریٰ نے دارالعلوم کے حالات و واقعات کا مکمل طور پر جائزہ لیا۔ اور کافی غور وفکر

کے بعد دارالعلوم کی بقاء، تحفظ اور فلاح وبہبود کے لئے آزادیٔ فکر و دیانتِ ضمیر کے ساتھ نہایت اہم قراردادیں منظور کیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ان تمام غیر آئینی اقدامات مثلاً دستورِ اساسی کی خلاف ورزیوں، مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں سے انحراف اور اس کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں نیز سارے ملک میں غلط پروپیگنڈوں اور اس پر بلا منظوری مجلسِ شوریٰ کثیر رقم کے خرچ کرنے پر جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے مجلسِ شوریٰ کا یہ جلسہ مہتمم صاحب کے ان اقدامات کو قطعاً غیر آئینی سمجھتا ہے اور ان امور کو دارالعلوم دیوبند کے مقصد اور منہاج کے سراسر منافی تصور کرتا ہے اس کے پیشِ نظر مجلسِ شوریٰ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ موصوف کو حسب ذیل نوٹس دیا جائے۔

جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'

مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند منعقدہ ۲۹ / ۳۰ / نومبر ۸۱ء دلی رنج وغم کے ساتھ مندرجہ ذیل حقائق کا اظہار کرتی ہے اور آپ سے اُن کے جوابات کا مطالبہ کرتی ہے آپ پندرہ یوم کے اندر ان کے مفصل جواب دیدیں اور مجلس شوریٰ کو مطمئن فرمائیں۔

یہ حقیقت بالکل واضح اور مسلّم ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا دستور ایک قدیم اور مستند دستاویز ہے جو آپ کے دستخط سے بار بار طبع ہو چکا ہے اور دارالعلوم کا سارا نظم ونسق ہمیشہ سے اسی کے مطابق چلتا رہا ہے اور آپ بھی اُسے تسلیم کرتے رہے ہیں اور اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔

یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ مجلسِ شوریٰ دارالعلوم کی حیثیت ہیئۃ حاکمہ کی ہے آپ اور جملہ کارکنان وملازمان دارالعلوم اس کی بالادستی کو تسلیم کرتے رہے اور اس کے احکام کے پابند رہے ہیں

۱۔ مگر افسوس ہے ۱۱ / ۱۲ / ۱۳ / اگست ۸۱ء کے اجلاس کے بعد سے آپ نے اپنا سابقہ طرزِ عمل بدل دیا ہے اور آپ دیدہ ودانستہ مجلس شوریٰ کے فیصلوں سے انحراف

کر رہے ہیں اور ایسے اقدامات کر رہے ہیں جن کو مجلس شوریٰ اور دستور اساسی دارالعلوم دیوبند سے بغاوت اور اس کے خلاف محاذ آرائی سے تعبیر کیا جانا چاہئے مثلاً آپ نے ۴ راکتوبر ۱۹۸۱ء کو دہلی میں اپنے کچھ بہی خواہوں اور دارالعلوم کے کچھ ملازمین کا ایک اجلاس بلایا جسے آپ نے نمائندہ اجتماع کے نام سے تعبیر کیا حالانکہ وہ صرف آپ کی ذات کا نمائندہ تھا اور اس میں دارالعلوم کے نظم ونسق کے متعلق ایسے غیر آئینی اور غیر شرعی فیصلے کرائے اور کئے جن کا آپ کو ہرگز کوئی حق نہ تھا اور دارالعلوم کے ملازم کی حیثیت سے آپ ان کے ہرگز مجاز نہ تھے۔

۲۔ چنانچہ آپ نے اس اجلاس میں ایک نام نہاد ایڈہاک کمیٹی بنائی اور بنوائی اور اس کو دارالعلوم کے نظم ونسق کے سلسلہ میں وہ اختیارات دئے جو صرف مجلس شوریٰ ہی کو حاصل تھے کوئی فرد یا جماعت ان کو استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتی تھی اور نہ رکھتی ہے۔

۳۔ اس خودساختہ ایڈہاک کمیٹی نے ۲۲ راکتوبر ۱۹۸۱ء کو آپ کے ایما پر مجلس شوریٰ جیسی دارالعلوم کی سب سے اعلیٰ مجلس کو کالعدم قرار دیا اور غاصبانہ طور پر اس کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔

۴۔ اس ایڈہاک کمیٹی کے ذریعہ اور اس کو آڑ بناکر آپ نے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مددگار مہتمم اور مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم کو ان کے عہدوں سے برخاستگی کے نوٹس دیکر ان کے فرائض منصبی میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور دارالعلوم کو بلا اجازت مجلس شوریٰ غیر معین مدت کیلئے بند کر دیا اور طلبہ دارالعلوم کو اقامت گاہوں سے پولیس کی مدد سے نکال دیا جس سے ان کی تعلیم کا سخت نقصان ہوا۔ اور موسم سرما میں سخت تکلیف برداشت کرنا پڑی اور پڑرہی ہے یہ وہ اقدامات ہیں جن کا ازروئے شریعت اخلاق اور آئین دارالعلوم آپ کو ہرگز کوئی حق نہ تھا اور جو صراحتاً دارالعلوم کے دستور اساسی سے انحراف اور بغاوت ہیں

۵۔ اس کے علاوہ آپ نے دارالعلوم کے خزانے سے اپنے مطبوعہ بجٹ ۱۴۰۱ھ کے مطابق ایک لاکھ چوہتر ہزار روپے کی گراں قدر رقم بلا استحقاق اور بلا منظوری مجلس شوریٰ ناجائز پر پبلسٹی وغیرہ کا نام دیکر دارالعلوم کے اعلیٰ مقاصد کی پامالی پر صرف کیا۔ یہ اقدام سراسر غاصبانہ اور غیر آئینی اور غیر شرعی تھا اور ہے ان کے علاوہ دیگر رقوم بھی آپ نے

بلا استحقاق قطعاً ناجائز طور پر صرف کیں اس طرح ملت کی امانت میں خیانت کا ارتکاب ؟
جس کی ادائیگی کے آپ قانوناً و شرعاً ذمہ دار ہیں۔

آپ کے یہ تمام اقدامات جو قطعاً ناجائز، غیر شرعی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی نیز نظم و
اور مفاد دارالعلوم کے خلاف ہیں۔ مجلس شوریٰ ان پر انتہائی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے آپ
مکرر مطالبہ کرتی ہے کہ پندرہ یوم کے اندر ان الزامات کے جواب دیں اور مجلسِ شوریٰ کو مطلع کریں
ورنہ آپ کے خلاف انتہائی رنج کے ساتھ کارروائی کرنے پر مجبور ہوگی۔

۲ مجلسِ شوریٰ نے متفقہ طور پر دستور اساسی کے مطابق دارالعلوم کی مجلسِ عاملہ کے لئے حسب ذ
ارکان کا انتخاب کیا۔

(۱) جناب مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی۔ (۲) جناب مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی (۳) جنا
مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی (۴) جناب الحاج نواب عبید الرحمن صاحب شیروانی (۵) جناب موا
محمد عثمان صاحب (۶) جناب مولانا مرغوب الرحمن صاحب (۷) جناب الحاج علاؤ الدین صاحب بمبئی۔

ان سات ارکان کے علاوہ مہتمم صاحب دارالعلوم اور صدر المدرسین اپنے اپنے عہدے کی حیثیت
سے عاملہ کے رکن ہوں گے۔

(۳) مجلس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ دارالعلوم کی رقومات جتنے بینکوں میں ہیں انھیں اطلاع دید ؟
جائے کہ اب دارالعلوم کی رقم جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب کے دستخط سے نکالنے کے بجائے مجلس شور
کے نامزد کردہ حسب ذیل تین حضرات میں سے دو کے مشترکہ دستخط سے نکالی جائے۔ وہ تین ح
یہ ہیں۔

مولانا مرغوب الرحمن صاحب مددگار مہتمم، مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم، مولانا معراج الح
صدر المدرسین۔

(۴) مجلس شوریٰ نے متفقہ طور پر یہ بھی طے کیا کہ ذمہ دارانِ حکومت سے دارالعلوم کے حالات و معا
پر بات چیت کرنے کیلئے ایک وفد جناب نواب عبید الرحمن خانصاحب شیروانی کی سربراہی میں
تشکیل دیا جائے۔ وفد کے ممبران یہ حضرات ہوں گے۔ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی، مولانا محمد منظو
نعمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا مرغوب الرحمن صاحب بجنوری۔

۳۰ر ۳۱ر مئی و یکم جون ۸۱ء کی مجلس شوریٰ میں مہتمم صاحب نے اپنی کبر سنی سے پیدا شدہ معذوریوں
ظہار کر کے مجلس سے مسئولیت کے بارے ہلکا کرنے کی درخواست پیش کی تھی اور اس پر مجلس نے
رارداد پاس کی تھی اس میں شرعی اعتبار سے کچھ سقم تھا جس کی جانب ملک کے مقتدر علماء نے مجلس
ریٰ کو توجہ دلائی تھی۔ اس لئے مجلس نے حسب ضابطہ، دستور اساسی اس قرارداد پر نظر ثانی کیا
جزوی ترمیمات منظور کیں۔

مجلس شوریٰ نے طلبۂ دارالعلوم کے صبر، استقامت .... اور استقلال کے ساتھ ہر
طرح شدائد کو مردانہ وار برداشت کرتے ہوئے کیمپوں میں تعلیمی سلسلے کو جاری رکھنے پر
سین و تعریف کی اور ساتھ ہی ان اساتذہ کرام کے ایثار اور حسن کردار کا بھی اعتراف کیا جو
خوف و خطر سے بے پروا ہو کر ان طلبہ کی تعلیم و تربیت میں شب و روز ایک کئے ہوئے
ں ــــ مجلس شوریٰ نے مسلمانانِ دیوبند کا خصوصی طور پر اور تمام ملک کے مسلمانوں کا
می طور پر شکریہ ادا کیا۔ جنھوں نے پورے حوصلہ کے ساتھ ان مظلوم طلبہ کی امداد و اعانت
کر کے انھیں تعلیمی خسارے سے بچا لیا۔

محترم ارکانِ شوریٰ نے محمود ہال تشریف لا کر ان کیمپوں کا بچشم خود معائنہ کیا
ہاں دارالعلوم کی انتظامیہ کے ظلم و جور کے شکار طلبہ بے سر و سامانی کے ساتھ اس شدید
ٹھنڈک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور پوری پامردی و اولوالعزمی کے ساتھ حالات و شدائد
مقابلہ کر رہے ہیں۔

اس موقعہ پر مجلسِ شوریٰ کی نمائندگی کرتے ہوئے ملک کے مشہور انشا پرداز عالم و
مصنّف جناب مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے طلبہ سے خطاب بھی کیا۔ مولانا موصوف کے
قلب پر ان غریب الدیار طلبہ کی بیچارگی و مظلومیت کا اس درجہ اثر ہوا کہ تقریر شروع
کرتے ہی آواز بھرا گئی اور آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور چند لمحے یہ حالت رہی کہ باوجود کوشش
کے ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہ ہو سکا انکی اس کیفیت سے پورے مجمع کی آنکھیں نمناک
ہو گئیں ــــ مولانا اکبر آبادی صاحب نے اپنی تقریر میں کیمپ میں مقیم طلبہ کے استقلال
اور ثابت قدمی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ مکمل طور پر پرامن رہتے ہوئے

اپنے تعلیمی مشاغل میں مصروف ہیں، آپ نے عزم وحوصلہ کی تاریخ میں ایک اہم باب کا اضافہ کیا ہے جسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ پوری ملت آپ کے ساتھ ہے آپ ان حالات سے بالکل دلگیر و مضطرب نہ ہوں آپ حق پر ہیں اور حق ہی کامیاب و کامراں ہوتا ہے۔ انشاء اللہ ایک دن وہ آئے گا جب آپ اپنی مادر علمی کے آغوش میں پہنچیں گے۔

مولانا اکبر آبادی صاحب کی تقریر سے پہلے محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی زید مجدہٗ نے دورۂ حدیث کے طلبہ کو بخاری شریف کی ایک حدیث پڑھا کر اپنی مسند سے حدیث پاک کے درس و افادہ کی انھیں اجازت مرحمت کی جلسہ کے اختتام پر الحاج نواب عبید الرحمٰن خانصاحب شیروانی نے طلبہ کی امداد کے لئے ایک قابل قدر رقم عنایت فرمائی۔

اجلاس شوریٰ کے ختم ہوجانے پر دوسرے دن مہتمم صاحب دہلی چلے گئے اور پھر وہاں سے بمبئی تشریف لے گئے ہیں اس وقت ان کی قائم مقامی مولانا انظر شاہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ مہتمم صاحب کی غیر موجود گی ہیں قائم مقام صاحب نے مندرجہ ذیل اساتذہ کو بلا وجہ بتائے نوٹس کے معطلی کا پروانہ بھیج دیا ہے جب کہ اس کا حق دستور کے اعتبار سے خود مہتمم صاحب کو بھی حاصل نہیں ہے ماحول میں کشیدگی برقرار رکھنے کے لئے یہ شاہ صاحب کا ایک حربہ ہے تاکہ وہ مفادات جو ان حالات سے وابستہ ہیں وہ بدستور انھیں ملتے رہیں، ورنہ یہ نوٹس قانون و دستور کے لحاظ سے ردی کی ٹوکری ہی کے لائق ہے جسے وہ خود بھی خوب سمجھتے ہیں۔

وہ اساتذہ جن کے نام غیر قانونی نوٹس جاری گئی ہے۔

- حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند
- حضرت مولانا وحید الزماں صاحب استاذ علیا دار العلوم دیوبند
- حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذ دار العلوم دیوبند
- حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
- حضرت مولانا عبد الخالق صاحب مدراسی
- جناب مولانا محمد شمیم صاحب دیوبندی
- جناب مولانا مفتی بلال اصغر صاحب بن مولانا عبد الاحد صاحب مرحوم مبلغ دار العلوم دیوبند
- جناب حکیم عبد الحمید صاحب استاذ جامعہ طبیہ دار العلوم دیوبند۔

حضرت مولانا کاشف الہاشمی فاضل دیوبند

ادبیات

بہ عندلیب چمن

ے نواپرداز گل، سرمایۂ گلشن ہے تو — جس میں لاکھوں بجلیاں سوتی ہیں وہ ایمن ہے تو
ے ترا سوز دروں ہے عزتِ فصلِ بہار — اے ترا جوشِ جنوں ہے بانیٔ لیل و نہار
ہوتا ہے تیرے نغموں سے شبابِ زندگی — دیدۂ پرآب ہے شرحِ کتابِ زندگی
یری رفعت خندہ زن ہے گنبدِ افلاک پر — تو جوابِ مہرِ تاباں ہے بساطِ خاک پر

تیرے خوں سے فیض پاتا ہے نہالِ زندگی
تو جمالِ زندگی ہے تو کمالِ زندگی

ٹھ کہ صحنِ گلستاں میں سرگراں ہے زندگی — بے یقیں ہے۔ بے نظر ہے، بے اماں ہے زندگی
ٹھ کہ صحنِ گلستاں میں گل فروشی عام ہے — گل فروشی عام ہے روحِ چمن بدنام ہے
یدۂ باطل نے لوٹا ننگ و نام کائنات — قید ہو کر رہ گیا کیف و دوام کائنات
ظلمتِ اوہام سے دست و گریباں ہے حیات — آہ کیوں خیمہ زنِ کوہ و بیاباں ہے حیات

وقت آیا ہے کہ تو ہو زمزمہ سازِ چمن
تو بنا سازِ چمن ہے۔ تو سرافرازِ چمن

کاخ و ایواں میں بپا کر دے وہ حشرِ اضطراب — ہر بلند و پست میں ہو احتسابِ انقلاب
کوچہ و صحرا میں آ بجلی گرانے کے لئے — ساحلِ دریا پہ آ، طوفاں اٹھانے کیلئے
صاحبِ امروز، فکرِ قسمتِ فردا نہ کر — سرخوشِ صہبائے معنیٰ آنکھ کو رسوا نہ کر
پاسبانِ باغ و بستانِ گلِ آدم ہے تو، — آہ اس دیوان میں کیوں مصرعِ مبہم ہے تو
آہ فطرت مضطرب ہے ارتقا کے واسطے — روز اک پہلو نکلتا ہے بقا کے واسطے

صرف تو ہے صاحبِ ام الکتابِ زندگی
مطلعِ امکاں پہ آ، اے آفتابِ زندگی،